عزت وذلت کا اصل معیار
الحکم الاصلی حول الاموال والاعراض ودماء الکافرین فی الشریعة
شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کے حوالے سے "حکم اصلی"
ترتیب وتدوین
شیخ ابو محمد الیاس المہاجر

''الحکم الاصلی حول الاموال والاعراض ودماء الکافرین فی الشریعۃ''

شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کے حوالے سے ''حکم اصلی''

عزت وذلت کا

اصل معیار

ترتیب وتدوین:

شیخ ابو محمد الیاس المہاجر حفظہ اللہ

کتاب کا نام: عزت وذلت کا اصل معیار

ترتیب وتدوین: شیخ ابو محمد الیاس المہاجر حفظہ اللہ

طبع اوّل: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق اپریل ۲۰۱۲ء

تعداد: ۱۵۰۰

ناشر: مکتبہ معارف الدین، لاہور

فہرست

(باب سوم): شبہات کا رد

حقیقت حال

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کا دن وہ سورج لے کر طلوع ہوا جس نے اس دنیا کی تاریخ کو پلٹ کر رکھ دیا ۔چار مسافر طیارے امریکی فضاؤں میں اڑے اور ان میں سوار چند نوجوانوں نے ان جہازوں پر قبضہ کیا اوران کو عالمی تجارتی و عسکری عمارات سے ٹکرا دیا جس کے نتیجے میں بچوں اور عورتوں سمیت ہزاروں امریکی موت کی نیند سلا دیئے گئے۔

چونکہ ایک عرصہ دراز سے کفار خاص کر امریکہ اور یورپی ممالک (نیٹو) نے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کرر کھا ہے جس کو مکمل احاطۂ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔بیت المقدس پر غاصبانہ قبضے اور ہزاروں فلسطینیوں کے قتل عام میں اسرائیل کی ہر ممکن مدد سے لے کر عراق کے مسلمانوں پر معاشی پابندیوں اور استحصال کے نتیجے میں تقریباً دس لاکھ عراقی بچوں کی ادویہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے موت کے منہ میں جانے تک،باقی خلیجی جنگ میں لاکھوں عراقیوں کا قتل تو کسی شمار ہی میں نہیں ۔صرف بغداد کے علاقے میں ''عامریہ'' کی پناہ گاہ میں پانچ ہزار سے زائد مسلمان ایک ہی میزائل حملہ میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد جزیرۃ العرب، جس کو رسول اللہ ﷺ نے یہود ونصاری کے لئے ممنوع قرار دیا تھا،اس میں اپنے لاؤلشکر کے ساتھ قبضہ جمانااور حرمین شریفین کی اطراف اپنے فوجیوں کی تعیناتی،یہ سب کچھ ان مظالم کی ادنیٰ سی جھلک ہے۔

ان ساری وجوہات کو بنیاد بنا کر فلسطینیوں کے قتل عام اور عراقی مسلمانوں کو بے رحم طریقے سے ابدی نیند سلانے کا انتقام لینے اور بیت المقدس اور حرمین شریفین کی حفاظت اور بازیابی کے نام پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے:

''خون کا بدلہ خون،تباہی کا بدلہ تباہی''

کے فلسفے کو اپنایا اور پھر گیارہ ستمبر کا واقعہ رونما ہو گیا۔ یوں اس فلسفے کی بنیاد پر وجود میں آنے والے واقعے نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، چاہے ان پڑھ ہو یا اہل دانش، سب ہی سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ اس مسئلہ کے بارے میں اصل حقائق سمجھنے اور اس بارے میں شریعت کا حکم جاننے کے لئے سب ہی نے اہل علم کی طرف رجوع کیا؟

چنانچہ مسلمانوں کے اہل علم و دانش دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اکثریت نے اس اقدام کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس کو "دہشت گردی" سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ مل کر اس "دہشت گردی" کے خاتمے کے لئے مل جل کر کردار ادا کرنے کا حکم جاری کیا۔ شیخ الازہر محمد سیّد طنطاوی کے بتاریخ یکم رجب ۱۴۲۲ھ کو صادر ہونے والے فتوے میں کہا گیا کہ:

"پر امن لوگوں پر حملہ جیسا کہ نیویارک میں عالمی تجارتی مرکز میں ہوا، بلاشبہ وہ دہشت گردی، ظلم اور بعینہ دھوکہ دہی ہے"۔

اور امریکہ کی طرف سے افغانستان پر متوقع حملے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ:

"ہر ملک کو حق حاصل ہے کہ وہ اُس پر حملہ کرنے والے سے اپنا دفاع کرے۔ اور بلاشبہ اسلام تو ظلم کے ساتھ سرکش حملہ آور، ظلم اور دہشت گردی کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا، جس ملک پر بھی حملہ ہوا، تو ہم مسلمان ہونے کے ناطے اُس کے ساتھ کھڑے ہوں گے کہ جس پر حملہ ہوا۔ اِس سے قطع نظر کہ وہ امریکہ یا اُس کے علاوہ کوئی ملک ہو"۔

اور انہوں نے سختی سے کہا کہ:

"قطعی دلیل کے ساتھ ثابت ہونے والے دہشت گردانہ کاموں اور قتل کے مرتکب افراد کا محاسبہ کرنا ضروری ہے"۔

سعودیہ کی اعلیٰ فیصلہ ساز کمیٹی کے سربراہ الشیخ صالح اللحیدان کا بتاریخ ۱۔۷۔۱۴۲۲ھ کا فتویٰ ہے، جس میں اُنہوں نے کہا:

''دوسروں یعنی امریکیوں کے ساتھ احسان (نیکی) کرنا اور مظلوم یعنی امریکا کی مدد کرنا اور ظالم یعنی افغانوں کو حق کے ساتھ نہ کہ ظلم کے ساتھ، مغلوب کرنا جرائم کے قلع قمع کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے''۔

اور انہوں نے کہا کہ:

''بلاشبہ ان دھماکوں سے متأثرہ لوگوں کے لئے مدد کا ہاتھ بڑھانا، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، یہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور بلند اسلامی اخلاق کے اجاگر کرنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے''۔

جب اُن سے اس جیسے حادثات میں خون کے عطیات دینے اور مالی امداد دینے جیسی کوششوں کے بارے میں پوچھا گیا، تو اُنہوں نے یہ حدیث ''ہر جاندار کی مدد کرنے میں اجر ہے'' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو''۔

(الدھر:۸)

کا ذکر کرتے اور یہ کہ (آیت میں مذکورہ) قیدی کافر تھا، اُنہوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، کافر کی زندگی بچانا، بنی نوع انسان کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور بلند اسلامی اخلاق کو اجاگر کرنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ اور کسی ایسے مسلمان کے اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین (حق) پر ایمان رکھتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ گناہ ہے بلکہ اللہ کے حکم سے اس شخص کے لیئے اجر وافر ہوگا کہ جو مظلوم کی مدد کرے گا خواہ وہ (مظلوم) کافر ہی ہو''۔

شیخ یوسف القرضاوی کہ جنہوں نے ان کاروائیوں کو شریعت میں حرام قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

''ہم تمام مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ امریکا میں ہونے والے ان حملوں کا شکار ہونے والے بے گناہوں کے لیئے خون کے عطیات دیں''۔

ایک اور فتویٰ ''رابطہ عالم اسلامی'' کی طرف سے ڈاکٹر عبد المحسن الترکی نے ۲۹۔۰۶۔۱۴۲۲ھ کو ان کاروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

''بلاشبہ اسلامی ملکوں کے عوام، دہشت گردی کے اس جرم جو ریاستہائے متحدہ (امریکا) اور دوسرے ملکوں میں ہوا کی اسلامی نظریات کے مطابق مذمت کرتے ہیں۔ جس کے شرعی قواعد کسی مسلمان کے لئے یہ حرام قرار دیتے ہیں کہ وہ خود قاتل بنے یا قتل یا لوگوں کو دہشت زدہ کرنے یا خوفزدہ کرنے یا اُنہیں ایذاء پہنچانے کے وسائل میں سے کوئی ایک وسیلہ بنے کیونکہ یہ سب کچھ حرام سرکشی کے زمرے میں آتا ہے''۔

اور اس نے مزید کہا کہ:

''بلاشبہ عالمی امن وسلامتی کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے حملے پر پابندی کے عالمی قانون کا جلد از جلد نفاذ کیا جائے''۔

اور ''هيئة الكبار العلماء وادارة البحوث العلمية والافتاء'' کے سربراہ کے سربراہ سعودی مفتی سماحۃ الشیخ عبد العزیز آل شیخ کا فتویٰ ہے۔ جس میں اُنہوں نے کہا:

''بلاشبہ ریاستہائے متحدہ امریکا میں ہونے والے دھماکے اور اُس سے تعلق رکھنے والے دوسرے کام جیسے طیّاروں کا اغواء یا پر امن لوگوں کو خوفزدہ کرنا یا لوگوں کا ناحق قتل کرنا، یہ سب صرف اور صرف ظلم و جبر اور سرکشی کی مثالیں ہی ہیں۔ اور اس طرح کے تصرفات تو حرام اور کبیرہ گناہ ہیں''۔

اور انہوں نے تاکیداً کہا کہ:

''بلاشبہ جو خطرناک حادثے نیویارک اور واشنگٹن میں ہوئے کہ جن کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔ یہ ایسے کام ہیں کہ جنہیں شریعتِ اسلامی تسلیم نہیں کرتی اور نہ یہ اس دین کا حصّہ ہیں اور نہ ہی یہ اُس کے شرعی اُصولوں سے موافقت رکھتے ہیں''۔

اور ''خلیج تعاون کونسل'' کے ملکوں نے ۵۔۷۔۱۴۲۲ھ بروز اتوار کے اپنے اجلاس میں یہ یقین دلایا کہ وہ نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والے حملوں کے مرتکب افراد کے تعیّن کے سلسلے میں ریاستہائے متحدہ امریکا کی مدد اور اُس سے مکمّل تعاون کریں گے۔ اور کونسل نے اپنے اس بیان میں کہ جو کہ سعودیہ کے شہر جدّہ میں چھ ملکوں کے وزرائے خارجہ کے ہنگامی اجلاس کے اختتام پر جاری ہوا میں کہا گیا کہ:

''کونسل کے ارکان، دہشت گردانہ اعمال کے مرتکب افراد کے تعیّن اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیئے عالمی کوششوں کے ساتھ مل کر تعاون اور مدد کا یقین دلاتے ہیں''۔

اس کے برعکس چند اہل علم ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے اس کاروائی کو عین اسلامی قرار دیا اور اس کی بھرپور حمایت کی اور امریکہ کے افغانستان پر متوقع حملے کے پیش نظر مسلمانوں کو امریکہ اور دیگر کفار ممالک کا ساتھ نہ دینے کا فتویٰ جاری کیا۔ ان میں سر فہرست نامور سعودی عالم دین شیخ حمود عقلاء الشعیبی، شیخ یوسف العیری، شیخ ناصر بن فہد اور پاکستان کے مشہور عالم مفتی نظام الدین شامزئی کے نام قابل ذکر ہیں۔

اور اس دوران امریکی صدر بش نے ۱۶ ستمبر ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۴۲۲/۰۶/۲۸ھ کو ایک پریس کانفرنس میں امریکی عوام کے نام کا اعلان اِن الفاظ سے کیا:

"This crusade, this war on terrorism is going to take a long time"

”یہ ایک صلیبی جنگ ہے، یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے جو ایک لمبے عرصے تک جاری رہے گی“۔

پھر اُس نے کہا کہ:

”امریکیوں کو اب صبر کو لازم پکڑنا چاہیے“۔

”نیشنل ریویو“ نامی امریکی مجلّے نے ”بلاشبہ یہ ایک جنگ ہے، ہمیں اُن کے ملکوں پر حملہ کرنا چاہیے“ کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

”یہ وقت اُن دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث افراد کی جگہوں کو تلاش کرنے میں ضائع کرنے کا نہیں، ان کاروائیوں کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں کہ جن کے چہروں پر نیویارک اور واشنگٹن کے حملوں کا سن کر مسکراہٹ آئی۔ ہمیں لمبی چوڑی تحقیقات یا جرم کے اسباب کے لئے دلیلوں کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ عالمی اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہماری اُمت پر ایک

بنیاد پرست مجرم گروہ نے حملہ کیا ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ اُن پر اُن کے ملکوں میں حملہ کریں، اُن کی قیادت کو قتل کریں اور انہیں مسیحیت قبول کرنے پر مجبور کر دیں''۔

چناچہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ نے اقوام متحدہ کی چھتری تلے افغانستان پر حملہ کر دیا اور تقریباً دو مہینے میں پچاس ہزار افغانی مسلمانوں کا خون بہہ گیا اور اس کے بعد ''تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تلاش'' کے نام پر ۲۰۰۳ء ایک بار پھر عراق پر دھاوا بول دیا گیا اور اس دوران لاکھوں عراقی مسلمان قتل ہو گئے۔

ایک بار پھر وہ گروہ جو ''خون کا بدلہ خون، تباہی کا بدلہ تباہی'' پر یقین رکھتا تھا اس نے ''جواب آں غزل'' کے مصداق یکے بعد دیگرے امریکہ اور یورپی ممالک میں مختلف قسم کے حملے جاری رکھے جن میں قابل ذکر لندن اور اسپین کے شہر میڈرڈ میں کئے جانے والے حملے تھے جن میں ان ممالک کے عام شہری بھی بشمول عورتوں اور بچوں کے نشانہ بنے اور پھر یوں نہ رکنے والی جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اور اس کے ساتھ ہی اس بحث کا بھی آغاز ہو گیا کہ کیا کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کے قتل عام کے بدلے میں کفار کے بچوں اور عورتوں کا نشانہ بنانا جائز ہے؟ اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی املاک نقصان پہنچایا اور ان کے علاقوں کو برباد کیا تو کیا مسلمان کے لئے بھی اس کے بدلے میں ایسے کام کرنا جائز ہے؟

اس صورتحال میں ایک مسلمان کے لئے یہ جاننا ضروری ہو گیا کہ شریعت کی نگاہ میں ایک کافر کا مقام اور مرتبہ کیا ہے۔ کب اس کی جان و مال اور عزت ایک مسلمان کے لئے حلال ہو جاتی ہے؟ اور مسلمانوں کے گروہ میں سے کون سا گروہ حق پر ہے اور کس کی بات درست ہے؟

زیر نظر تحریر میں دراصل ان ہی بنیادی سوالات کا مختصر جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ایک مسلمان کے سامنے ایک کافر کے مال و جان اور عزت کے حوالے سے شریعت کا اصل حکم سامنے آسکے جس کے ذریعے وہ خیر و شر کے درمیان چلنے والے گھمسان کے معرکوں میں اپنے کردار اور مقام

کو پہچان سکے اور اس بارے میں شریعت کے حکم سے لاعلمی کی بناء پر وہ کہیں کفر کی حمایت میں ان کفار کی صفوں میں کھڑا نظر آئے اور یوں اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو کر اپنی دنیا و آخرت برباد کر دے۔

باب اول

ایک اٹل حقیقت

جب سے آدم علیہ السلام نے اس دنیا میں قدم رکھا تو اس کے بعد انسانوں کے دو گروہ وجود میں آگئے۔ ایک توحید کا علمبردار اور اللہ رب العزت کا وفادار گروہ ہے جو کہ "مسلمان" کہلایا اور دوسرا اللہ کی وحدانیت کے انکاری اور اس سے باغی گروہ ہے جس کو شرعی اصطلاح میں "کافر" کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾

"وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن"

(التغابن:۲)

توجو لوگ اللہ کی وحدانیت کے اور اس کے رسولوں کے اور ان کی لائی ہوئی شریعت کے کافر ہو گئے تو اللہ کی نگاہ میں وہ سب سے بدترین مخلوق ٹھہرے، اور جنہوں نے اللہ کی واحدانیت کا اور رسولوں کی رسالت کا اقرار کیا اور اللہ کی عطا کردہ شریعت کی پاسداری کی تو وہ سب سے بہترین مخلوق قرار پائے۔ قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ○﴾

''بے شک جنہوں نے کفر کیا چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی لوگ سب سے بدترین مخلوق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کئے تو وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں''۔

(البینۃ:٦۔٧)

حقیقت میں بہترین مخلوق تو وہ قرار پائے جو ایمان لے آئے مگر جنہوں نے انکار کیا تو وہ تمام مخلوقات میں حتیٰ کہ جانوروں سے بھی بدترین مخلوق ٹھہرے۔ اسی حقیقت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں''۔

(الانفال:٥٥)

﴿أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾

''یہ (کافر) جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر''۔

(الاعراف:١٧٩)

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلے بنو قریظہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

((یا اخوۃ القردۃ والخنازیر))

''اے بندر اور خنزیروں کے بھائیوں!''۔

(المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج۱۰، ص۱۱۷، رقم الحديث: ۴۳۰۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے وقت حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو جب ان کے باپ ان کو قید کر کے واپس مکہ لے جا رہے تھے تو ان کی طرف تلوار کا دستہ کر کے ارشاد فرمایا تھا:

((أَنَّ دَمَ الْكَافِرِ عِنْدَ اللّٰهِ كَدَمِ الْكَلْبِ))

''اور بے شک کافر کا خون اللہ کے نزدیک کتے کے خون جیسا ہے (کہ جس کے مارنے میں کوئی حرج نہیں)''۔

(فتح الوهاب، ج۲ص۳۲۰)

ان حقائق کے نتیجے میں یہ بات واضح ہوئی کہ حقیقت میں اس دنیا میں اُس انسان کو جینے کا حق حاصل ہے جو کہ کلمہ توحید یعنی اللہ کی واحدانیت اور اس کے رسولوں کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے اسلام کے دائرے کے اندر آجائے، تو جس نے یہ اقرار کیا تو اس کا مال وجان اور عزت محفوظ ومامون ہو گئی اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے مال وجان اور عزت کی کوئی حیثیت اور حرمت نہیں۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کو سمجھانے کے لئے انبیاء ورسل آتے رہے اور یہی وہ منہج تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کاربند ہوئے:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے بچا لیا، مگر یہ کہ کسی حق کے بدلے میں، اور اس کا باقی حساب اللہ پر رہے گا''۔(صحيح البخاری، ج۱۰، ص:۹۷، رقم الحديث: ۲۷۲۷)

الحكم الاصلى فى الاموال والاعراض ودماء الكافرين فى الشريعة

شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کا ''حکم اصلی''

اسی بناء پر قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اس کی روشنی میں سلف وصالحین کے اقوال وفتاوی کے مطابق شریعت میں کفار کے بارے میں حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''ہر کافر کے بارے میں شریعت کا ''حکم اصلی'' یہ ہے کہ وہ حربی (جنگجو) ہے اور اس کی جان و مال اور عزت ایک مسلمان کے لئے حلال ہے جب تک کہ اس کا شرعی بنیادوں پر غیر حربی ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ چاہے یہ غیر حربی ہونا دار الاسلام سے کسی معاہدے کی وجہ سے ہو، یا مسلمانوں کی طرف سے امان دیئے جانے کی وجہ سے ہو، یا پھر دار الاسلام کے تحت ان کا ذمی بن جانے کی صورت میں ہو، یا پھر اُن صورتوں میں سے کوئی ایک ہو جن کی وجہ سے شریعت نے ان کو استثنیٰ (exception) دیا ہوا ہو جیسے کہ کفار کی عورتیں، بچے، بوڑھے وغیرہ۔ لیکن بعض صورتوں اور وجوہات کی بنیاد پر یہ استثنائات (exceptions) بھی ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ ان کفار کی عورتوں، بچوں، بوڑھوں وغیرہ میں سے کسی کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا، یا پھر معاہدے کی خلاف ورزی کرنا، یا پھر شریعت کا استہزاء، یا پھر ان کا دیگر کفار میں گڈمڈ ہو جانا، یا کفار کا ان کو ڈھال بنالینا یا پھر معاملہ بالمثل کی وجہ سے، تو اس صورت میں ان کی بھی جان اور مال کی حرمت اٹھ جاتی ہے''۔

چنانچہ شریعت کی طرف سے ہر کافر کے بارے میں دیئے جانے والے اس حکم کو تفصیلاً سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں پائے جانے والے باطل نظریات وشبہات کا رد کیا جا سکے

اور ایک کافر کے بارے میں شریعت کا حکم واضح ہو سکے کہ اس دنیا میں اس کا اصل مقام (Status) کیا ہے؟

مسلمان اور کافر کے مال وجان کی حرمت کے درمیان فرق:

بلاشبہ شریعت نے مسلمانوں کے خون، ان کی عزتوں کی پامالی اور ان کے اموال کو مباح کرنا یا انہیں کسی بھی قسم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نقصان پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ماسوائے کسی شرعی سبب کے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))

”کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ماسوائے تین حالتوں میں سے کسی ایک کے، جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور دین (اسلام) کو چھوڑ کر جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا (یعنی مرتد)“۔

(صحیح البخاری، ج۲۱، ص۱۷۱، رقم الحدیث: ۶۳۷۰)

لہٰذا یہ حالتیں ہیں کہ جن میں کسی مسلمان کا خون بہانا جائز ہوتا ہے مگر فقہاء کے نزدیک حدیث میں یہ حکم صرف انہی تین حالتوں پر منحصر نہیں بلکہ یہاں اللہ کے رسول ﷺ نے صرف مثال کے طور پر تین حالتوں کا بیان کیا ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جان، مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم ”حرمت“ کا ہے یعنی وہ ہر صورت حرام ہیں مگر یہ کہ کسی شرعی جواز مثلاً قصاص یا ارتداد یا حد کے بغیر حلال نہیں ہو سکتیں۔

لیکن کفار کی جان مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم ''حلت'' کا ہے یعنی وہ حلال ہیں مگر یہ کہ کسی عہد یا ذمہ یا اَمان کے بغیر حرام نہیں ہوتیں۔اس کے ساتھ ان کی عورتیں، بچے، بوڑھے، مزدور اور جو لڑ نہیں سکتے اس شرعی حکم سے خارج ہیں کیونکہ ان کے مستثنیٰ ہونے کے دلائل موجود ہیں۔ لیکن کفار کے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کے قتل کی حرمت مطلق (عام) نہیں ہے بلکہ چند مخصوص حالات میں انہیں بھی قتل کرنا جائز ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مال و جان کے حرمت کی اصل وجہ:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلَهَ الَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي نَفْسَهُ وَمَالَهُ اِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے بچا لیا، مگر یہ کسی حق کے بدلے میں، اور اس کا باقی حساب اللہ پر رہے گا''۔

(صحیح البخاری، ج۱۰، ص:۹۷، رقم الحدیث:۲۷۸۴)

((لِكُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ))

''ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کا خون اور مال اور اس کی عزت حرام ہے''۔

(صحیح مسلم، ج۱۲، ص:۴۲۶، رقم الحدیث:۴۶۵۰)

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ))

"مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہماری جیسی نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگیں اور ہمار ذبیحہ کھالیں تو یقیناً ان کے خون اور مال حرام ہو گئے، مگر اس حق کی بناء پر جو اسلام نے ان پر مقرر کر دیا ہے، باقی ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے"۔

(صحیح البخاری، ج۲، ص: ۱۵۱، رقم الحدیث: ۳۷۹)

((قَالَ سَأَلَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلَّى صَلَاتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ))

"میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! وہ کون سی چیز ہے، جس سے آدمی کا جان ومال دونوں دست درازی سے محفوظ ہو جاتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں، جو مسلمان کے ہوتے ہیں اور اس کے ذمہ وہی باتیں واجب ہیں، جو مسلمان کے ذمہ ہوتی ہیں"۔

(صحیح البخاری، ج۲، ص: ۱۵۱، رقم الحدیث: ۳۷۹)

درجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب ایک شخص اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے جان و مال اور عزت کو اس وقت تحفظ حاصل ہو جاتا ہے ۔تو فقہی قاعدے ''مفهوم المخالفة'' کے تحت اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس سے پہلے یعنی اسلام لانے سے پہلے اسکا خون اور ان کا مال کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھابلکہ حلال تھا۔کیونکہ اگر اس شخص کے خون اور ان کے مال کو اسلام لانے سے پہلے تحفظ حاصل ہوتا تو مندرجہ بالا احادیث تو مسلمان کے جان اور مال کے تحفظ کے حوالے سے بے فائدہ اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

کفر کا وصف ہی ایک انسان کو ''حربی'' بنادیتا ہے:

درجِ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ یہ ''ایمان'' ہی ہے جو اہلِ ایمان کے جان ومال کو تحفظ دیتا ہے اور یہی چیز ہے جو تفریق کرتی ہے ان اہلِ ایمان کو اور ان کی حرمت کو کافروں سے اور ''کفر'' کا وصف ہونا ہی وہ چیز ہے جو ایک انسان کو ''کافر'' بنادیتا ہے اور حلال کر دیتا ہے اس کی جان ومال کو اور ان کی حرمت کو اٹھادیتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بأن الله تبارك وتعالى حرم دم المؤمن وماله الا بواحدة ألزمه اياها وأباح دم الكافر وماله الا بأن يؤدى الجزية أو يستأمن الى مدة''

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کا خون اور مال حرام کیا ہے سوائے ایک الزام کہ جو وہ اپنے اوپر لے (یعنی مرتد ہو جائے) اور کافر کا خون اور مال مباح رکھا ہے سوائے اس کے کہ وہ جزیہ ادا کرے یا اس کو ایک مدت کے لئے امان مل جائے''۔

(الآم ،ج١،ص٣٠١)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی کفار پر شب خون مارنے کے دوران بچوں اور عورتوں کے نشانہ بن جانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

((ومعنى قوله ''منهم'' انهم يجمعون خصلتين ان ليس لهم حكم الايمان الذى يمنع به الدم ولا حكم دار الايمان الذى يمنع به الغارة على الدار''

''اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا ہے کہ (هم منهم))'' یہ انہی میں سے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیات ہیں، ایک یہ کہ ان پر ''ایمان'' کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں) جس سے ان کا خون حرام ہو جائے، نہ تو ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہو''۔

(الرسالة: ۲۹۹)

فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یہ شرعی اصول بیان فرمایا ہے کہ:

''لِأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ إِلَّا بِالْأَمَانِ''

''کافر کے خون کی کوئی حیثیت نہیں مگر یہ کہ جب اس کو امان مل جائے''۔

(رد المختار، ج۱۵، ص۴۴۵۔ بدائع الصنائع، ج۱۵، ص۲۸۴۔ الدر المختار، ج۴، ص۸۰۳)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وان كان كافرا حربيا فان محاربته أباحت قتله وأخذ ماله واسترقاق امرأته''

''اور اگر کافر جنگجو ہو تو بلاشبہ اس کے جنگجو ہونے نے ہی اس کے قتل، اس کے مال لینے اور اس کی عورت کو لونڈی بنانا مباح کر دیا''۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیة، ج۳۲۔ص۳۴۳)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لان الاصل اباحة دم الکافر وعدم الامان''

''اصل یہ ہے کہ کافر کا خون مباح ہے جبکہ اس کے پاس امان نہ ہو''۔

(الشرح الکبیر، ج۱۰، ص۵۶۰)

امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ ایک کافر کے حربی ہونے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مَنْ ضَلَّ الطَّرِيقَ مِنْهُمْ، أَوْ حَمَلَتْهُ الرِّيحُ الَيْنَا، فَهُوَ لِمَنْ أَخَذَهُ فِي احْدَى الرِّوَايَتَيْنِ؛ لِأَنَّهُ مَتَاعٌ أَخَذَهُ أَحَدُ الْمُسْلِمِينَ بِغَيْرِ قُوَّةِ مُسْلِمٍ، فَكَانَ لَهُ، كَالْحَطَبِ، وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَة، يَكُونُ فَيْئًا''

''جو کافر بھی اپنا راستہ کھو بیٹھے یا ہوا اسے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں) تو یہ کافر (اور اس کا مال) اُس مسلمان کا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجائے دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مالِ فے ہے''۔

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۵۴۔المغنی، ج۲۱، ص۱۸، رقم:۷۴۹۱)

امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

''وَسُئِلَ عَنْ مَرْكَبٍ بَعَثَ بِهِ مَلِكُ الرُّومِ ،فِيهِ رِجَالُهُ،فَطَرَحَتْهُ الرِّيحُ الَى طَرْطُوسَ،فَخَرَجَ الَيْهِ أَهْلُ طَرْطُوس،فَقَتَلُوا الرِّجَالَ،وَأَخَذُوا الْأَمْوَالَ؟ فَقَالَ:هَذَا فَيْئٌ الْمُسْلِمِينَ ، مِمَّا أَفَاءُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ۔''

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا(کافروں کے) ایک بحری جہاز کے بارے میں جس کو روم کے بادشاہ نے روانہ کیا جس میں لوگ تھے۔ پھر ہوا نے اسے ''طرطوس'' کی طرف پہنچادیا، تو اہلِ طرسوس نکلے اور ان لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا، تو انہوں نے کہا: ''یہ مسلمانوں کے لئے مالِ فے ہے۔ جس کو اللہ نے انہیں عطا کیا''

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۵۴۔ المغنی، ج۱۲، ص۸۲ ، رقم: ۷۵۵۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مزید سوال کیا گیا:

''وَعَنْ الْقَوْمِ يَضِلُّونَ عَنْ الطَّرِيقِ،فَيَدْخُلُونَ الْقَرْيَةَ مِنْ قُرَى الْمُسْلِمِينَ ، فَيَأْخُذُوهُمْ ؟فَقَالَ يَكُونُونَ لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ كُلِّهِمْ ، يَتَقَاسَمُوهُمْ۔''

''اور ان سے پوچھا گیا(کافروں میں سے) ان لوگوں کے بارے میں جو اپنا راستہ کھو بیٹھیں پھر ایک بستی میں جا پہنچے جو کہ مسلمانوں کی بستیوں میں سے ہو اور کوئی مسلمان انہیں گرفت میں لے لے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''تو یہ بھی اس بستی کے لوگوں کا اجتماعی مال ہے اور وہ اس کو آپس میں تقسیم کرلیں''۔

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۵۴۔ المغنی، ج۱۲، ص۸۲ ، رقم: ۷۵۵۲)

امام السرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''(قَالَ): وَسَأَلْته عَنْ الرَّجُلِ يَأْسِرُ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْعَدُوِّ هَلْ يَقْتُلُهُ أَوْ يَأْتِي بِهِ الْإِمَامَ ۔ قَالَ: أَيُّ ذَلِكَ فَعَلَ فَحَسَنٌ ؛ لِأَنَّ بِالْأَسْرِ مَا تَسْقُطُ الْإِبَاحَة مِنْ دَمِهِ حَتَّى يُبَاحَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْتُلَهُ فَكَذَلِكَ يُبَاحُ لِمَنْ أَسَرَهُ كَمَا قَبْلَ أَخْذِهِ وَلَمَّا قُتِلَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ بَعْدَ مَا أُسِرَ يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 'أَوَّلُ أَقْرَبُ الَى اظْهَارِ الشِّدَّةِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، وَكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ فَيَنْبَغِي أَنْ يَخْتَارَ مِنْ ذَلِكَ مَا يَعْلَمُهُ أَنْفَعَ وَأَفْضَلَ لِلْمُسْلِمِينَ ''

''اور جب میں نے (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے) پوچھا ایک شخص کے بارے میں جو دشمن میں سے کسی کو پکڑتا ہے تو وہ اس کو قتل کرے یا اس کو امام کے پاس لائے تو امام ابو حنیفہ نے جواب دیا'' دونوں میں سے جو بھی کرے وہ اچھا(صحیح) ہے۔ کیونکہ قیدی بنانے کی صورت میں کوئی چیز اس کے خون کے مباح ہونے کو ختم نہیں کرتی ،تو امام اس کو قتل کر سکتا ہے ۔پس یہ قیدی بنانے والے کے لئے بھی جائز ہے جیسا کہ قیدی بنانے سے پہلے (اس کا قتل جائز) تھا۔اور جب امیہ بن خلف بدر کے روز قیدی بنانے کے بعد قتل کیا گیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے والے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اگر وہ اس کو امام کے پاس لے جائیں تو یہ امام کے مقام کے احترام کے زیادہ قریب ہے جبکہ جو پہلی بات ہے(یعنی اسے قتل کر دینا) یہ مشرکین پر شدت کے اظہار اور ان کی طاقت توڑنے کے زیادہ نزدیک ہے۔تو اسے چاہیے دونوں میں سے جو چیز مسلمانوں کے لئے زیادہ سود مند ہو اسے اختیار کرے''۔

(المبسوط،ج۱۲،ص۳۳۷)

مشہور مصری عالم دین اور اخوان المسلمین کے مرشد عام شیخ عبد القادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ ''حربی'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دار الحرب کے باشندوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) حربی (۲) مسلمان .... حربی دار الحرب کے وہ باشندے ہیں جو اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور حربیوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو اسلام کی جانب سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اور اگر ان کے اور دار الاسلام کے درمیان کوئی معاہدہ یا صلح نہ ہو تو ان کا جان و مال مباح ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اسلام میں (مال و جان کے) تحفظ کی دو صورتیں ہیں، قبول اسلام اور امان"۔

(اسلام کا فوجداری قانون، جلد اول صفحہ ۳۷۱۔ اسلامک پبلشر)

صرف جنگ میں شریک شخص "حربی" نہیں ہوتا:

مسلمانوں کی طرف سے اگر کافر کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو یا اس کو پناہ دی گئی ہو یا پھر جزیہ دینے پر آمادہ ہو گیا ہو تو اس کو بالترتیب معاہد، مستأمن اور ذمی کہتے ہیں.........اس کے برعکس وہ کافر جس سے نہ کوئی معاہدہ ہو اور نہ ہی اس کو پناہ دی گئی ہو اور نہ ہی وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو اس کو "محارب" یا "حربی" کہتے ہیں۔

یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ کافروں پر یہ تعریف (محارب یا حربی) تب بھی لاگو ہوتی ہے جب کہ کفار مسلمانوں کے خلاف حالتِ جنگ میں بھی نہ ہوں، کیونکہ کافر کی یہ تعریف تین صورتوں یعنی معاہد، مستامن یا ذمی کے علاوہ صورتوں پر ہے کیونکہ یہ ساری صورتیں اس کے خون اور جان کی حفاظت کرتی ہیں لیکن یہ تعریف مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے مشروط نہیں ہے۔ چنانچہ کفر کا وصف ہی وہ چیز ہے جو کہ کافروں کی جان اور مال کو حلال کر دیتی ہے۔ صرف چند صورتیں ایسی ہیں جو کہ ان کے جان اور مال کا تحفظ کرتی ہیں (کفر کی موجودگی کے باوجود) جیسے ذمی بن جانا۔ اسی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وَقَدْ قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: اِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَة لِتَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا، وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا''

''بے شک انہوں (کافروں) نے جزیہ اسی لئے دیا تا کہ ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہو جائے اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہو جائے (یعنی ان کو تحفظ مل جائے)''۔

(المغنی ،ج۲۰،ص۴۶۷۔ در المختار،ج۴ص۔۴۰۳)

کافر کی جان ومال کی حرمت کب ہوتی ہے؟

اس سے پہلے کے ہم ''کافر'' کے بارے میں حکم شرعی کو مزید جانیں، ہم ان استثنائی صورتوں کو اجمالاً سمجھ لیتے ہیں جن کی وجہ سے کافر کو عارضی استثنیٰ مل جاتا ہے اور اس کی جان ومال اور عزت کو عارضی تحفظ مل جاتا ہے۔ وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) معہد

(۲) مستأمن

(۳) ذمی

اس بات کو امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''ثم كان الكفار معه بعد الأمر بالجهاد ثلاثة أقسام أهل صلح وهدنة وأهل حرب وأهل ذمة''

"پھر جہاد کے واجب ہونے کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں (جن کو امان ملی) صلح و معاہدہ والے، جنگ کرنے والے اور ذمّی لوگ"۔

(زادالمعاد ۱۵۹/ ۳)

(۱) معہد کا مطلب:

دار الاسلام کا جن کافروں سے مقررہ یا غیر مقررہ مدت کے لئے معاہدہ ہو جائے تو ان کو بھی امان حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے بھی مال وجان کو تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اکثر فقہاء کرام کفار سے کسی بھی معاہدے کی مدت دس سال سے زیادہ مقرر کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس صورت میں جہاد معطل ہو کر رہ جائے گا اور دوسرا یہ کہ یہ معاہدے غیر شرعی بنیادوں پر نہ ہوں جیسے کہ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے کسی بھی قسم کا معاہدہ کرلینا۔

(۲) مستأمن کا مطلب:

کسی بھی کافر کو اگر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے دے تو اس کافر کو تمام مسلمانوں کی طرف سے امان حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے جان ومال کو بھی تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر وہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہو تو اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملے گی۔

(۳) ذمی کا مطلب:

ذمی وہ ہوتا ہے جو کہ ایمان نہ لائے لیکن مسلمانوں کو اپنے مال میں سے ایک مقررہ حصہ جس کو شرعی اصطلاح میں "جزیہ" کہا جاتا ہے، سال بھر میں ایک دفعہ دیتا رہے۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر

رہے کہ شریعت نے جزیہ دینے کا معاملہ صرف اہل کتاب اور مجوسیوں تک مخصوص رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾

”ان لوگوں سے لڑتے رہو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے (اور) جو اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں ،ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں“۔

(التوبۃ:۲۹)

باقی دوسرے قسم کے کافروں کے لئے مثلاً مشرکین کے لئے تو سوائے معاہدے یا امان کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے۔ شیخ عبد القادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں صورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وہ حربی جن کا دار الاسلام سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو وہ دار الاسلام میں داخل نہیں ہو سکتے اور اگر کوئی حربی دار الاسلام میں آجائے تو اس کی جان ومال مباح ہے، اسے قتل کر کے اس کا مال سلب کیا جا سکتا ہے اور اس کو قید کرنا اور معاف کر دینا بھی جائز ہے۔ اور اگر کوئی حربی دارالاسلام میں اجازت سے یا مخصوص امان کی بناء پر یا کسی معاہدے کے تحت داخل ہو تو وہ مستامن ہے اور اس کے جان ومال وقتی طور پر محفوظ ہو جائیں گے، کیونکہ اس کی امان بھی وقتی ہے دائمی نہیں ہے۔ اس کو اجازت ہے کہ وہ دارالاسلام میں اپنی جان ومال کی حفاظت

کے ساتھ قیام کرلے جس عرصے کی اسے امان ملی ہے۔ جب اس کی مدت امان ختم ہو جائے گی تو وہ دوبارہ حربی بن جائے گا جیسے کہ اگر وہ دارالاسلام چھوڑ جاتا تو اس کا جان و مال غیر محفوظ قرار پاتا، البتہ اگر وہ(امان کی مدت ختم ہونے کے بعد) اپنے ارادے سے دار الاسلام میں رہے تو بعض اصحاب اس کو حربی قرار دیتے ہیں اور جبکہ بعض اس کو ذمی خیال کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے اختیار سے دار الاسلام میں رہ رہا ہے اور اس وجہ سے اس کے جان و مال دائمی طور پر محفوظ ہو گئے ہیں"۔

(اسلام کا فوجداری قانون، جلد اول صفحہ ۳۷۱)

یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ کافر کو جب ان تین میں سے کوئی ایک استثناء حاصل ہو تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اس کو ہر قسم کی چھوٹ مل گئی اور اب وہ جو چاہے کرتا رہے۔ فقہاء کرام نے اُن تمام چیزوں کے متعلق تفصیلاً احکامات اپنی فتاویٰ اور تصانیف میں بیان کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے ان کو حاصل یہ استثنٰی بھی ختم ہو جاتا ہے اور ان کی پچھلی حیثیت یعنی حربی ہونا بحال ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کے خلاف کسی دوسرے کافر کی مدد کرنا، شریعت کا استہزاء، رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی وغیرہ۔

کفار کے مال کو لوٹنا اور ان کا خون بہانا جبکہ ان سے کوئی لڑائی نہ ہو:

جہاں تک تعلق ہے کفار کے مال کا تو وہ دو عمومی طریقوں سے مسلمانوں کی ملکیت بن سکتا ہے:

پہلی صورت........ یہ ہے کہ ان کفار کے مال کا حصول لڑائی کے نتیجے کے طور پر ہو جیسے کہ جب مسلمان کفار کے خلاف جنگ کرنے جائیں اور فتح حاصل کریں اور قبضہ میں لے لیں ان کے مال، جائیداد، عورتیں، اور بچوں وغیرہ کو غنیمت کے طور پر۔

دوسری صورت......... یہ کہ جب یہ حاصل ہوں بغیر کسی لڑائی کے جیسے وہ خود اپنی مرضی سے اپنی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے مسلمانوں کو خیراج دیں اور یہ ہے ذمہ، جزیہ یا اکراہ کے ساتھ، یا پھر وہ کفار خود اپنا مال چھوڑ جائیں اور مسلمان اسے حاصل کر لیں یا کسی بھی اور طریقے سے اور یہ ہے ''مالِ فے''۔

امام السانانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلْفَیْئُ مَا أُخِذَ بِغَیْرِ قِتَالٍ''

''مالِ فے وہ ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہو''۔

(سبل السلام ،ج٦۔ص٢٠٥)

اور ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یقول تعالی مبینًا لما الفیئ وما صفته؟ وما حکمه؟ فالفیئ فکلّ مال أخذ من الکفار بغیر قتال ولا ایجاف خیل ولا رکاب''

''اللہ تعالیٰ نے بتا دیا واضح طور پر کہ مالِ فے کیا ہے؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ تو مالِ فے وہ تمام اموال ہیں جو کفار سے حاصل کئے جائیں بغیر لڑائی کئے ہوئے ، گھڑ سواروں، یا اونٹ سواروں کے ذریعے لشکر کشی کئے بغیر۔''

(تفسیر ابن کثیر ،ج٨،ص٦٥۔تفسیر سورة الحشر)

چناچہ الناطقی بیان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"اگر کوئی فرد تنہا (ہی) دار الحرب میں داخل ہو گیا اور اس نے (کافروں سے مال چھین کر) وہاں سے غنیمت حاصل کر لیا اور اس علاقے میں اور کوئی مسلمان سپاہی نہیں تھے تو پھر اس (مال غنیمت) پر پانچویں حصے کا حکم لاگو نہیں ہو گا۔ایسا صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب نو (۹) سے کم آدمی ہوں۔جب آدمیوں کی تعداد نو تک پہنچ جائے تو پھر وہ سریہ (فوجی دستہ) شمار ہو گا"۔

(امام انور العولقی شہید رحمہ اللہ کے مشہور فتوے "دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم" کے اردو ترجمہ سے اقتباس)

امام المرغنانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الھدایۃ" میں فرماتے ہیں:

"اگر ایک یا دو افراد امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوں اور (کافروں) سے کچھ حاصل کر لیں تو پھر اس مال پر پانچویں حصے کے حکم کا اطلاق ہو گا"۔

(امام انور العولقی شہید رحمہ اللہ کے مشہور فتوے "دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم" سے اقتباس)

اور عبد الرحمان السعدی کہتے ہیں:

"مالِ فے کی تعریف فقہی اصطلاح کے مطابق یہ ہے کہ کفار کا مال حاصل کیا جائے حق کے ساتھ بغیر لڑائی کئے ہوئے جیسا کہ (بنو نضیر کے اموال) کہ وہ چھوڑ جائیں فرار ہوتے ہوئے مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے تو وہ مالِ فئہ کہلایا۔کیونکہ یہ لوٹا دیا گیا کافروں سے جو اس مال کے حقدار نہیں تھے مسلمانوں کو جو اس مال کے زیادہ حقدار تھے"۔

(رسالہ فی الحکم الاصلی فی دماء واموال واعراض عن الکفار، ص:۱۹)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مال فئے کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صَارَ لَفْظُ ''الْفَيْئِ'' اِذَا أُطْلِقَ فِي عُرْفِ الْفُقَهَاءِ ؛فَهُوَ مَا أُخِذَ مِنْ مَالِ الْكُفَّارِ بِغَيْرِ ايجَافِ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ ، وَالْاِيجَافُ نَوْعٌ مِنَ التَّحْرِيكِ''

''یہ لفظ بن جاتا ہے ''الفیئ''۔ اگر مطلق طور پر دیکھا جائے تو فقہاء کرام نے اس کے معانی یہ بیان کئے ہیں کہ یہ وہ مال ہے جو کفار سے حاصل کیا جائے بغیر گھوڑے دوڑائے اور لشکر کشی کئے بغیر''۔

(مجموعة الفتاوىٰ ابن تيمية، ج۲، ص۸۹)

پھر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تفصیلی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وأما الفيئ ، فأصله ما ذكره الله تعالى في سورة الحشر ، التي أنزلها الله في غزوة بني النضير ، بعد بدر ، من قوله تعالى ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ. رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾(الحشر۶-۱۰)فذكر سبحانه وتعالى المهاجرين والأنصار، والذين جاءوا من بعدهم على ما وصف، فدخل في الصنف الثالث كل من جاء على هذا الوجه الى يوم القيامة ؛ كما دخلوا في قوله تعالى﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ﴾(سورة الأنفال: ۷۵)۔ وفي قوله:﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾(سورة التوبة:۱۰۰)وفي قوله﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾(سورة الجمعة:۳)ومعنى قوله﴿فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ﴾(سورة الحشر:۶)أي ما حركتم ولا سقتم خيلا ولا ابلاً۔ ولهذا قال الفقهاء:ان الفيئ هو ما أخذ من الكفار بغير قتال ؛ لأن ايجاف الخيل

والركاب هو معنى القتال۔ وسمى فيئا ؛ لأن الله أفاءه على المسلمين، أى رده عليهم من الكفار؛ فان الأصل أن الله تعالى انما خلق الأموال اعانة على عبادته ؛ لأنه انما خلق الخلق لعبادته۔ فالكافرون به أباح أنفسهم التى لم يعبدوه بها، وأموالهم التى لم يستعينوا بها على عبادته ؛ لعباده المؤمنين الذين يعبدونه، وأفاء اليهم ما يستحقونه''

''جہاں تک تعلق ہے مال فئے کا تو اس کا اصل حکم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا سورۃ الحشر میں جو کہ غزوۂ بدر کے بعد بنو نضیر سے لڑائی کے موقع پر نازل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ ....رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾(الحشر ٦ تا ١٠) اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور اُن لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان اوصاف سے متصف ہیں، پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بھی ان لوگوں کو شامل کیا:''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں''(سورۃ الأنفال: ۷۵)اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں:''اور وہ جنہوں نے ان کے بعد پیروی کی نیکی کے ساتھ''۔(سورۃ التوبۃ:۱۰۰) ''اور دوسرے وہ لوگ جو ابھی تک اُن میں شامل نہیں ہوئے (مگر آخر کار ان میں آملیں گے)اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے''۔(الجمعۃ:۳)اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی﴿فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾کے معنی ہے کہ نہ تو تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت دی اور نہ ہی جہاد کے لئے انہیں چلایا اور دوڑایا۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ''مالِ فئے وہ ہے جو کفار سے حاصل کیا جائے بغیر لڑائی کے ''یعنی تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی اور نہ چلایا۔ اور اس قسم کے مال کو '' فئے ''اس لئے

کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال و دولت بلا قتال و جنگ دلوا دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اسی لئے دیئے ہیں کہ اس کی عبادت کے لئے معاون و مددگار بنے اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پس کفار اللہ کی عبادت نہیں کرتے، نہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر خرچ کرتے ہیں، تو یہ مال مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کر دیئے گئے تاکہ اس مال سے وہ قوت حاصل کریں اور اللہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ مسلمان بندے اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس لئے "مال فئے" ان کو دیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق تھے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی کے میراث و ترکہ پر قبضہ کر لیا گیا ہو اور پھر اس کو وہ مال واپس دلوایا جائے"۔

(السياسة الشرعية ،ج۱،ص۳۷)

یہاں پر امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اُس وجہ کی وضاحت کرتے ہیں جو کہ کفار کے مال کو ایک مسلمان کے لئے حلال کرتی ہے، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مال اور جان کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے کیا ہے چنانچہ جو کفر کرتے ہیں وہ اسے وہاں استعمال نہیں کرتے جہاں اسے استعمال ہونا چاہیے تو وہ اس مال کو رکھنے کا حق کھو بیٹھتے ہیں، اور وہ حق چلا جاتا ہے مسلمان کو اگرچہ وہ اس کا اپنا مال نہ بھی ہو۔

کافر اگر مسلمانوں کی طرف بھٹک کر بھی آجائے تو اس کا حکم:

جہاں تک تعلق ہے ان کفار کے بارے میں جو مسلمانوں کی زمینوں کی طرف رخ کریں امان طلب کرنے کے لئے، تو محکم رائے یہ ہے کہ ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ مگر جب وہ کسی بھی وجہ سے مسلمانوں کی زمینوں میں داخل ہو جائیں یا اس طرف رخ کریں جبکہ وہ امان کے طلب گار نہ ہوں تو ان کا خون اور مال مباح ہے اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ (امام کے ذریعے یا از خود)۔ امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پہلے گذر چکا کہ:

''مَنْ ضَلَّ الطَّرِيقَ مِنْهُمْ ، أَوْ حَمَلَتْهُ الرِّيحُ الَيْنَا، فَهُوَ لِمَنْ أَخَذَهُ فِي احْدَى الرِّوَايَتَيْنِ ؛لِأَنَّهُ مَتَاعٌ أَخَذَهُ أَحَدُ الْمُسْلِمِينَ بِغَيْرِ قُوَّةِ مُسْلِمٍ، فَكَانَ لَهُ، كَالْحَطَبِ، وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَة، يَكُونُ فَيْئًا''

''جو کافر بھی اپنا راستہ کھو بیٹھے یا ہوا اسے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں) تو یہ کافر (اوراس کا مال) اُس مسلمان کا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجائے دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مالِ فے ہے''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی ،ج۲۱،ص۱۸، رقم:۷۴۹۱)

امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

''وسئل عن قوم يكونون في حصن أو رباط فيخرج منهم قوم الى قتالهم فيصيبون دواباً أو سلاحاً؟فقال أبوعبد الله :يكون بين اهل الرباط، واهل الحصن''

''اور ان سے پوچھا گیا ان لوگوں (مسلمانوں) کے بارے میں جو قلعے میں ہوں یا رباط میں ہوں اور پھر ان (مسلمانوں) میں سے کچھ لوگ باہر نکل کر ان (کافروں) سے لڑیں اور ان کے مال مویشی ہتھیاروں کو حاصل کریں تو ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ ''یہ مال اہلِ قلعہ اور اہلِ رباط کے درمیان تقسیم ہو گا''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی والشرح الکبیر ،ج۱۰،ص۵۶۴)

المغنی کے مصنف فرماتے ہیں:

''وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ دَارَ الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ أَمَانٍ، نَظَرْت؛ فَإِنْ كَانَ مَعَهُ مَتَاعٌ يَبِيعُهُ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَقَدْ جَرَتْ الْعَادَةُ بِدُخُولِهِمْ إلَيْنَا تُجَّارًا بِغَيْرِ أَمَانٍ، لَمْ يُعْرَضْ لَهُمْ. وَقَالَ أَحْمَدُ: إذَا رَكِبَ الْقَوْمُ فِي الْبَحْرِ، فَاسْتَقْبَلَهُمْ فِيهِ تُجَّارٌ مُشْرِكُونَ مِنْ أَرْضِ الْعَدُوِّ يُرِيدُونَ بِلَادَ الْإِسْلَامِ، لَمْ يَعْرِضُوا لَهُمْ، وَلَمْ يُقَاتِلُوهُمْ''

''اگر ایک حربی دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہو جائے تو اس کی جانچ پڑتال کی جائے گی کہ کیا اس کے پاس ہتھیار ہیں جو وہ دارالاسلام میں فروخت کرے اور اگر یہ عام طور پر داخل ہوں بغیر امان کے تاجروں کی حیثیت سے تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا۔ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ اگر سمندر میں نکلیں اور ایک جہاز آجائے جو کہ دشمن کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہو اور جس میں مشرکین تاجر ہوں جو مسلمانوں کی سرزمین پر جانے کی غرض سے نکلے ہوں تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا اور ان سے نہیں لڑا جائیگا'۔

(المغنی، ج۲۱، ص۱۸، رقم: ۷۴۹۱)

امام ابن نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وقد ذکر الرافعی والنووی وغیرهما ان قصد التجارة لایفید الامان، وانه لو قال: ظننت ان قصد التجارة یفید الامان فلا أثر لظنه ویغتال''

''مگر امام الرافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام النووی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کہتے ہیں کہ تجارت کی غرض کو امان نہیں شمار کیا جائے گا، اور اگر وہ کافر کہیں کہ میرا گمان تھا کہ تجارت کی غرض سے آنا امان سمجھا جائے گا، تو اس کے گمان سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس کو قتل کر دیا جائیگا''۔

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۵۴۔ الروضة، ج۱۰، ص۲۸۰)

پھر امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''وقد سألت جماعة من اعيان الشافعية عن الحربي يخرج من بلاده قاصداً بلاد المسلمين بتجارة۔هل يجوز لأحد الرعية غزوه قبل دخوله ميناء المسلمين أوبعددخوله، وقبل أمانه أم لا؟۔فاجابوا بانه يجوز قتاله قبل دخول ميناء المسلمين وبعده، والله اعلم''

''اور میں نے پوچھا(ایک سوال)شافعیوں کے ایک گروہ سے حربی کے بارے میں جو اپنے ملک سے نکلے اس غرض سے کہ مسلمانوں کے ملکوں میں تجارت کرے:''کیا یہ جائز ہے کہ ایک گروہ ان سے لڑے مسلمانوں کی بندر گاہ میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہونے کے بعد، اور کیا ایسی صورت میں (محض اس کے ارادے سے)اس کی امان کا اعتبار کیا جائے یا نہیں۔تو انہوں نے جواب دیا:ان پر حملہ کرنا جائز ہے مسلمانوں کے بندر گاہ میں داخل ہونے سے پہلے اور داخل ہونے کے بعد بھی(واللہ اعلم)''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴)

فقہاء کرام وسلف صالحین کے اقوال کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ فقہاء نے کفار کے مال اور جان کو(چاہے وہ تاجر ہو یا کسی بھی اور صورت میں)اس بنیاد پر جائز قرار نہیں دیا کہ انہوں نے اسلام یا مسلمانوں پر جارحیت کی ہو بلکہ صرف اس بنیاد پر کہ ان کو امان کا کوئی عہد نہیں دیا گیا۔

فقہاء کے درمیان اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ جب کفار دارالاسلام بغیر اجازت داخل ہوں چاہے وہ تجارت کی غرض سے ہو یا کوئی اور مجبوری تو ان کفار کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آیا ان کو امان دی جائے یا ان کو لوٹا دیا جائے یا پھر اگر کوئی ان کے مال و جان پر کوئی قبضہ کر لے تو کوئی بھی حرج

نہیں۔جبکہ کفار کے "حکم اصلی"یعنی ان کا مال اور جان ایک مسلمان کے لئے حلال ہے سوائے چند صورتوں کے،اس میں فقہاء کرام میں کوئی بھی اختلاف نہیں۔

جیسا کہ امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"وروی ابن وھب،عن مالك،فی قوم من العدو ونزلوا بساحلنا بغیر اذن فأخذاو،فزعموا انھم تجار لفظھم البحر،ولایعلم صدقھم وقد تکسرت مراکبھم،ومعھم سلاح،أویشکون العطش الشدید،فینزلون للماء بغیر اذن،أن ذلك للامام یری فیھم رایه،ولا یخمسون،وانماالخمس فیما أوجف علیه بالخیل والرکاب"۔

"ابنِ وہاب روایت کرتے ہیں امام مالک سے ایک شخص کے بارے میں جو کہ دشمنوں میں سے ہو اور ہمارے ساحل پر آجائے بغیر اجازت کے پھر وہ پکڑا جائے اور اس کے بعد وہ دعویٰ کریں کہ "وہ تو تاجر ہیں اور سمندر میں راستہ بھٹک گئے ہیں"لیکن ان کا سچا ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا اور ان کا جہاز بھی ٹوٹ چکا ہے اوران کے پاس ہتھیار ہیں یا پھر وہ شدید پیاس کی صورت میں پانی کی تلاش میں بغیر اجازت ساحل پر آجائیں تو یہ امام پر منحصر ہے کہ وہ ان کا کیا(فیصلہ) کرتا ہے۔اور یہ خمس میں تقسیم نہیں ہو گا کیونکہ خمس صرف غنیمت پر ہے جو کہ حاصل کیا جاتا ہے گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعے لشکر کشی کرتے ہوئے۔"

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۵)

اس کے بعد امام ابنِ نحاس رحمۃ اللہ علیہ امام عبد السلام المالکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''واذا لم تقم أمارة على صدقهم ولا على كذبهم، فالحكم اما الاسترقاق أو يردون الى مامنهم، ولايجوز القتل على اشهر القولين، والقول الاخر: يجوز عملاً بمقتضى الأصل وبانتفاء المانع''

''اور اگر ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر یا تو ان کا حکم غلامی کا ہے یا پھر یہ کہ ان کو امن کی جگہ پر پہنچادیا جائے اور دونوں آرا میں سے راجح قول یہ ہے کہ ان کا قتل جائز نہیں ہے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ اصل قاعدے (حکمِ اصلی) کی بنیاد پر اور ان کو تحفظ فراہم کرنے والی کسی بھی وجہ (استثناء) کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے''۔

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۵۵)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اکثر فقہاء کے نزدیک قرآن وسنت کے مطابق ان میں سے یعنی کفار میں سے کوئی شخص لڑتے ہوئے یا بغیر لڑے قید کر لیا جائے مثال کے طور پر اگر اس کا جہاز اسے ہماری طرف لے آئے یا وہ راستہ بھٹک جائے یا وہ دھوکہ سے قید کیا جائے تو امام اس کے ساتھ وہ کرتا ہے جو زیادہ فائدہ مند ہو اس کو قتل کرنے سے لے کر غلام بنانے، احسان کرنے، فدیہ لینے یا قیدی کے بدل کے طور''۔

(مجموع الفتاویٰ، ۲۸/۳۵۵)

سیرت نبوی ﷺ سے مثالیں:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسُوقُ غَنَمًا لَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا مَا سَلَّمَ عَلَيْنَا إِلَّا لِيَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمَدُوا إِلَيْهِ فَقَتَلُوهُ وَأَتَوْا بِغَنَمِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ الْآيَةُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا﴾))

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریوں کو ہانکتے ہوئے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے گذرا، اس نے انہیں سلام کیا، وہ کہنے لگے کہ اس نے ہمیں سلام اس لئے کیا ہے تاکہ اپنی جان بچالے (حالانکہ یہ کافر ہے)، یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو خوب چھان بین کر لو"۔

(مسند احمد، ج۶، ص۴۵۱، رقم الحدیث: ۱۹۱۹)

بنو سلیم سے تعلق رکھنے والے اس شخص کے واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرام کی جانب سے اس کو قتل کرنے اور اس کا مال و متاع لوٹنے پر جو نکیر آئی وہ اس کے ایمان کے اظہار کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کافر کی جان و مال کی کوئی حرمت ہوتی تو صحابہ کرام اس کے یوں قتل کو جائز نہ سمجھتے اور نہ ہی اس کے مال و متاع کو حلال سمجھتے۔

اس کی دلیل امام محمد ابن الحسن رحمۃ اللہ علیہ اشجع سے آئے ہوئے شخص کے متعلق اس فتوی سے بھی ہوتی ہے:

''أن رجلاً من أشجع جاء الى النبی صلی الله علیه وسلم فشکا الیه الحاجة فقال: اصبر، ثم ذهب فأصاب من العدو غنیمة، وأتی بها النبی صلی الله علیه وسلم فطیبها له، فأنزل الله تعالی ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۲،۳) فهذا أصل علمائنا فیما یصیبه الواحد والمثنی من دار الحرب۔ اذا دخلوا علی وجه التلصص، بغیر اذن الامام''

''ایک آدمی اشجع سے آپ ﷺ کے پاس آیا ان سے ایک معاملہ کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''صبر کرو'' وہ پھر (کافر) دشمنوں سے غنیمت حاصل کرکے آپ ﷺ کے پاس (لوٹ) آیا تاکہ آپ ﷺ اس کے لئے یہ جائز (حلال) کریں تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۲،۳) ''اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے لئے راستہ بنادیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق ملتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا''۔ یہ (واقعہ) بنیادی (دلیل ہے) ہمارے علماء کے نزدیک ان لوگوں کے بارے میں جو امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں ہوں چوری کی نیت سے''

(شرح کتاب السیر الکبیر، ج ۱، ص ۳۹۶)

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''واذا لم یکن الکافر معاهداً ولا ذمیاً فان الأصل فیه أنه حربی حلال الدم والمال والعرض''

''اور جب کافر نہ تو حلیف ہو اور نہ ذمی تو بلاشبہ اس کی اصل یہی ہے کہ وہ ایسا حربی یعنی جنگجو ہوتا ہے کہ جس کا خون، مال اور عزت حلال ہوتا ہے''

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة)

امام انور العولقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

''ہماری اسلامی شریعت کے مطابق کفار کے ہاتھوں میں جو املاک ہیں وہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کی جائز ملکیت تصور نہیں ہوتیں اور جب کبھی اسلام اگر انہیں ملکیت کا حق دیتا ہے تو وہ ایسا (ان کفار کے بارے میں) بنیادی اصول (کہ ان کا مال و جان حلال ہے) سے استثنائی صورت میں کرتا ہے، جیسے اہل الذمہ کے معاملے میں جب وہ جزیہ ادا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کو ''فے'' کا نام دیا ہے جس کے معنی ''واپس لوٹانے'' کے ہیں، پس وہ کہتے ہیں کہ کفار کی املاک جو کہ (اصلاً) ان کی جائز ملکیت نہیں ہیں، مومنوں کی طرف واپس لوٹ آئی ہیں جو ان املاک کے ''جائز'' مالک ہیں''۔

(امام انور العولقی شہید رحمہ اللہ کے مشہور فتوے ''دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم'' سے اقتباس)

کفار کے ملکوں کی حیثیت:

شریعت میں بلاشبہ پوری دنیا کے ملک مسلمانوں کے لیے یا تو دارالحرب کا درجہ رکھتے ہیں یا پھر بامعاہدہ (حلیف) ہونے کا۔ لہٰذا تمام کافر ملک تو اصل میں جنگجو ملک (دارالحرب) ہیں اسی لیے ان کے خلاف ہر طرح کی لڑائی لڑنا جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے قافلوں کو روکتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلوں کو روکا اور کافر ملکوں کی عوام کو ضرورت پڑنے پر ضمانت کے طور پر (گروی) رکھ لیتے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کی طرف سے اپنے صحابہ کو قیدی بنائے جانے پر اس کے حلیف قبیلے بنو عقیل کے ایک آدمی کو قیدی بنالیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے اُن بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے قتل کا فتوی دیتے تھے کہ جن کا (دشمن میں سے) پہچانا جانا ممکن نہ ہوتا اور جنگجوؤں تک انہیں قتل کیے بغیر پہنچنا ممکن ہوتا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں بھی ایسا کیا اور اس شہر پر منجنیق کے ذریعے پتھروں کی بارش کی۔ لہٰذا جنگجو ملکوں کو نقصان پہنچانے سے منع کرنے والی شرعی حدود کا وجود نہیں، ماسوائے اس کے کہ اگر عورتیں، بچے، اور بوڑھے واضح طور پر پہچانے جاتے اور وہ جنگ وحملے میں دشمن کے مددگار بھی نہ ہو تو اس صورت میں انہیں نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

لہٰذا کفار کے ملکوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک قسم حربی (جنگجو) ہے اور اصل ان کی یہی ہے۔ جبکہ دوسری قسم معاھد (حلیف) کی ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکوں کی تقسیم کا ذکر آیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

((کان المشرکون علی منزلتین من النبی ﷺ والمؤمنین، مشرکی أهل حرب یقاتلهم ویقاتلونه ومشرکی أهل عهد لا یقاتلهم ولا یقاتلونه))

"مشرکوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے ہاں دو درجے تھے۔ جنگجو مشرک جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے۔ اور حلیف مشرک جن سے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے"۔

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"والدول لا تکون ذمیة بل تکون أما حربیة أو معاهدة ، والذمة هی فی حق الأفراد فی دار الاسلام"۔

''جبکہ ملک تو ذمّی نہیں ہوتے بلکہ یا تو جنگجو ہوتے ہیں یا پھر معاہدہ کرنے والے (حلیف) جبکہ دارالاسلام میں ذمّی صرف افراد کا حق ہوتا ہے''

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة)

امام انور العولقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی بھی قوم جو مسلمانوں سے جنگ میں (براہ راست) داخل ہوتی ہے یا مسلم اراضی میں حملہ کرنے میں شمولیت اختیار کرتی ہے وہ فی الحقیقت ''دار الحرب'' بن جاتی ہے''۔

(امام انور العولقی شہید رحمہ اللہ کے مشہور فتوے ''دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم'' سے اقتباس)

کفار کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں کا حکم:

شریعت نے ''غیر حربی'' ہونے کے لئے جو استثنائی صورتیں بیان کی ہیں ان میں (معہد، مستامن یا ذمی ہونے کے علاوہ) بنیادی طور پر کسی کا بچہ یا عورت ہونا، انتہائی بوڑھا، یا مزدور ہونا وغیرہ ثابت ہو جائے۔ اس حوالے سے چند احادیث درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ وُجِدَتْ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ))

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غزوے کے دوران ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا"۔

(صحیح البخاری، ج۱۰، ص۲۰۸، رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

اور مسلم کی ایک حدیث جو بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا))

"اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کے ساتھ حملہ کرو۔ ان لوگوں سے لڑو کہ جو اللہ کا انکار کرتے ہیں حملہ کرو اور غلو نہ کرو، اور نہ غداری کرو، اور نہ مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو"۔

(صحیح مسلم، ج۹، ص۱۵۰، رقم الحدیث: ۲۱)

رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((عَنْ جَدِّهِ رَبَاحِ بْنِ رَبِيعٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا))

" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ کسی کے گرد جمع ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور

فرمایا: ذرا دیکھو کہ یہ لوگ کس چیز کے گرد اکٹھے ہوئے ہیں۔ تو وہ شخص واپس آیا اور اُس نے بتایا کہ ایک مقتول عورت کے گرد۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ: یہ تو لڑ نہیں سکتی تھی۔ صحابی نے کہا کہ مقدمہ (سب سے اگلے دستے) پر خالد بن الولید تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ''خالد سے کہو کہ وہ کسی عورت اور مزدور کو ہر گز قتل نہ کرے''۔

(سنن ابی داود، ج۷، ص۲۷۴، رقم الحدیث: ۲۲۹۵)

امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى الْعَمَل بِهَذَا الْحَدِيث، وَتَحْرِيم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان إِذَا لَمْ يُقَاتِلُوا ،فَإِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاهِير الْعُلَمَاء: يُقْتَلُونَ''

''علماء کا اس حدیث پر عمل کرنے اور ایسی عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اجماع ہے کہ جو لڑتے نہیں لیکن اگر وہ لڑیں تو جمہور علماء کا کہنا ہے کہ انہیں قتل کیا جائے گا۔''

(شرح النووی علی مسلم، ج۶، ص۱۸۸، رقم: ۳۲۸۰)

اور آپ مزید فرماتے ہیں:

''وكذلك كل من لم يكن من أهل القتال لا يحل قتله الا اذا قاتل حقيقة أو معنى بالرأى والطاعة والتحريض وأشباه ذلك''

''اور اسی طرح جو بھی لڑائی کے اہل نہ ہو اسے قتل کرنا حلال نہیں ماسوائے اس کے کہ وہ حقیقت میں لڑے یا لڑائی میں دشمن کو رائے دے یا اس کی اطاعت کرے یا لڑائی پر ابھارے اور اسی سے ملتے جلتے کام کرے''۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس (سابق حدیث) کا مفہوم یہ ہے کہ:

’’’فَإِنَّ مَفْهُومه أَنَّهَا لَوْ قَاتَلَتْ لَقُتِلَتْ‘‘

’’ اگر کوئی عورت لڑے تو اسے قتل کیا جائے‘‘۔

(فتح الباری، ج۹، ص۲۲۴، رقم۲۷۹۰)

یہ اور اسی طرح کی دوسری دلیلیں ہیں جو کہ عورتوں، بچوں، حد درجہ بوڑھوں اور مزدور کو قتل کرنے سے مستثنیٰ قرار دیتیں ہیں خواہ وہ جنگجو قوم سے ہی تعلق رکھتے ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ لڑائی کے دوران پہنچانے جائیں اور لڑائی پر دشمن کی نہ تو فعل اور نہ قول سے کوئی مدد کرتے ہوں ،تو یوں ہی اُن کا قصداً قتل کرنا حرام ہو جاتا ہے سوائے چند ایک صورتوں میں جیسے کہ دشمن کو معاملہ بالمثل (دشمن کو بدلے کی سزا) دینے کی خاطر، جیسا آگے اس کا ذکر آئے گا۔

باب دوم

استثنائات

وہ حالات جن میں کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کو مارنا بھی جائز ہو جاتا ہے

اب ہم ان مخصوص حالتوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جن میں کفار کی عورتوں، بچوں ، بوڑھوں اور ان جیسے دوسرے لڑائی کے نااہل لوگوں کا قتل کرنا جائز ہوتا ہے خواہ قصداً یا بغیر ارادے کے۔ کیونکہ احادیث میں ان ذکر کردہ کفار کے ان معصوم لوگوں کی عصمت مطلق (عام) نہیں۔ بلکہ کچھ ایسی مخصوص حالتیں بھی ہیں کہ جن ان کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل حالات میں سے کسی بھی ایک حالت کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس حالت میں بے قصور افراد کا قتل جائز ہو جاتا ہے اور ان تمام حالات کا بیک وقت پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں سے کسی بھی ایک حالت میں ایسا کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ یہ حالات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی صورت

کافروں کے ساتھ گڈمڈ ہو جانا

پہلی صورت یہ ہے کہ کفار کے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں جیسے معصوم لوگوں کا دوسرے کافروں کے ساتھ بغیر قصد کے قتل کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ ان جنگجوؤں کے ساتھ اور قلعوں میں

نشانہ بنیں کہ جن کے سبب انہیں پہچانا نہ جاسکے تو اس صورت میں انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الذَّرَارِيِّ مِنْ الْمُشْرِكِينَ يُبَيَّتُونَ فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ فَقَالَ هُمْ مِنْهُمْ))

"انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولادوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب رات کے وقت اُن (مشرکوں) پر حملہ کرتے ہیں تو ان کی عورتیں اور بچے بھی نشانہ بن جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُمْ مِنْهُمْ)) "وہ انہی میں سے ہیں"۔

(صحیح مسلم، ج۹، ص۱۷۷ رقم الحدیث: ۳۲۸۱)

یہ حدیث کفار کی عورتوں، بچوں کو ان کے باپوں کے ساتھ اُس صورت میں قتل کرنے کے جواز کی دلیل ہے کہ جب وہ پہچانے نہ جائیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

((هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ))

"وہ اپنے باپوں میں سے ہیں"۔

(صحیح مسلم، ج۹، ص۱۹۷ رقم الحدیث: ۳۲۸۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ))

"نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق پر چھاپہ مارا جبکہ وہ غفلت کے عالم میں تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جارہا تھا۔ ان میں سے جو لوگ لڑنے والے تھے ان کو تو آپ ﷺ نے قتل کردیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا"۔

(صحیح البخاری، ج۸، ص۴۷۲، رقم الحدیث: ۲۳۵۵)

((أمر علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، أبا بکر فغزونا ناسا من المشرکین، فبیتناھم، وقتلناھم، وکان شعارنا أمت، أمت، قال سلمۃ: فقتلت بیدی تلك اللیلۃ، سبعۃ أھل أبیات))

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمارے لشکر کا امیر بنادیا، پس ہم نے مشرکین سے جنگ کی، ان پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا، اس رات ہمارا خفیہ اشارہ "اَمِتْ اَمِت" تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس رات میں اپنے ہاتھ سے سات گھروں کے مشرکوں کو قتل کیا"۔

(صحیح ابن حبان، ج۲۰، ص۹، رقم الحدیث: ۴۸۳۳)

یہ حدیث کم و بیش الفاظ کے ساتھ سنن ابی داود، مسند احمد موجود ہے اور امام حاکم اس کو مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے۔

جمہور (علماء) کی رائے ہے کہ کفار کی عورتوں اور ان کی اولادوں کو قصداً قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کے باپوں کے قتل تک انہیں (بچوں، عورتوں) کو بغیر پہنچانے کے نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ (ان عورتوں بچوں کا قتل) جائز ہے۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے ضمن میں فرمایا:

''قَوْله:(عَنْ أَهْل الدَّار)أَيْ الْمَنْزِل،هَكَذَا فِي الْبُخَارِيّ وَغَيْره وَوَقَعَ فِي بَعْض أَوَّل هُوَ الصَّوَاب۔ وَوَجَّهَ النَّوَوِيّ الثَّانِي وَهُوَ وَاضِح.قَوْله:(هُمْ مِنْهُمْ)أَيْ فِي الْحُكْم تِلْكَ الْحَالَة، وَلَيْسَ الْمُرَاد اِبَاحَة قَتْلهمْ بِطَرِيقِ الْقَصْد اِلَيْهِمْ ، بَلْ الْمُرَاد اِذَا لَمْ يُمْكِن الْوُصُول اِلَى الْآبَاء اِلَّا بِوَطْءِ الذُّرِّيَّة فَإِذَا أُصِيبُوا لِاخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ جَازَ قَتْلهمْ۔''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اہل دار سے مراد گھر والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ وہ انہی میں سے ہیں یعنی اس حالت میں(شرعی)حکم میں اور اس سے قصداً(ارادے کے ساتھ)انہیں قتل کی اباحت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بڑوں تک بچوں کو روندے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہو اور وہ(بچے)اُن(بڑوں)کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے نشانہ بن جائیں تو اس صورت میں اُن کا قتل جائز ہے''۔

(فتح الباری لابن حجر،ج۹،ص۲۲۴، رقم:۲۷۹۰)

امام مسلم صحیح مسلم میں باقاعدہ یہ باب باندھتے ہیں''بَاب جَوَازِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ فِي الْبَيَاتِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ''''رات میں غیر ارادی طور پر عورتوں اور بچوں کے قتل کا جواز''اور امام النووی رحمۃ اللہ علیہ، صحیح مسلم کی اپنی شرح میں اس باب کے تحت آنے والی احادیث پر فرماتے ہیں:

((سُئِلَ عَنْ حُكْم صِبْيَان الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يَبِيتُونَ فَيُصَاب مِنْ نِسَائِهِمْ أَنَّ أَحْكَام آبَائِهِمْ جَارِيَة عَلَيْهِمْ فِي الْمِيرَاث وَفِي النِّكَاح وَفِي الْقِصَاص وَالدِّيَات وَغَيْر ذَلِكَ، وَالْمُرَاد إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدُوا مِنْ غَيْر ضَرُورَة . وَأَمَّا الْحَدِيث السَّابِق فِي النَّهْي عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان ،فَالْمُرَاد بِهِ إِذَا تَمَيَّزُوا، وَهَذَا الْحَدِيث الَّذِي ذَكَرْنَاهُ مِنْ جَوَاز بَيَاتهمْ وَقَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان فِي الْبَيَات ،هُوَ مَذْهَبنَا وَمَذْهَب مَالِك وَأَبِي حَنِيفَة وَالْجُمْهُور. وَمَعْنَى ''الْبَيَات''، ''وَيَبِيتُون'' أَنْ يُغَار

عَلَيهِمْ بِاللَّيلِ بِحَيثُ لَا يُعْرَف الرَّجُل مِنْ الْمَرْأة وَالصَّبِيّ ....وَفِي هَذَا الْحَدِيث:دَلِيل لِجَوَازِ الْبَيَات، وَجَوَاز الْإِغَارَة عَلَى مَنْ بَلَغَتْهُمْ الدَّعْوَة مِنْ غَيْر إِعْلَامهمْ بِذَلِكَ .وَفِيهِ :أَنَّ أَوْلَاد الْكُفَّار حُكْمهمْ فِي الدُّنْيَا حُكْم آبَائِهِمْ ، وَأَمَّا فِي الْآخِرَة فَفِيهِمْ إِذَا مَاتُوا قَبْل الْبُلُوغ ثَلَاثَة مَذَاهِب:الصَّحِيح:أَنَّهُمْ فِي الْجَنَّة .وَالثَّانِي :فِي النَّار .وَالثَّالِث :لَا يُجْزَم فِيهِمْ بِشَيْءٍ .وَاَللَّه أَعْلَم۔''

''اور اسکا مطلب یہ ہے کے جب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے عورتوں اور بچوں پر حملے سے متعلق پوچھا گیا، اور اسکے نتیجے میں عورتیں اور بچے مارے جائیں تو آپ ﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

((هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ)) ''یہ اپنے باپوں میں سے ہیں''۔ دوسرے الفاظوں میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اس لئے کہ ان پر ویسا ہی حکم لگے گا جو انکے باپوں کا ہے، وصیت میں، شادی بیاہ میں، قصاص و دیت میں اور ان جیسے دوسرے معاملات میں۔ اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ (قتل) قصداً نہ ہو اور ضرورت کے علاوہ قتل نہیں کیا جائیگا جیسا کہ پچھلی احادیث میں ذکر کیا گیا ہے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر (عورتوں اور بچوں کے درمیان) تفریق ممکن ہو۔ اور (صعب والی) حدیث جو ہم نے ابھی ذکر کی رات کو عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت سے متعلق، یہی ہماری علمی رائے ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر جمہور علماء کا ہے۔ اور رات کے چھاپوں کا مطلب جب ان کے خلاف رات کو حملہ کیا جائے جبکہ ایک آدمی کو عورتوں اور بچوں سے ممتاز نہ کیا جاسکے، اور یہاں اس حدیث میں رات کے حملوں کا بھی ثبوت ملتا ہے، اوراس میں اس بات کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ان لوگوں پر غفلت میں بھی حملہ کرنے کیا جاسکتا ہے جن تک دعوت پہنچ چکی ہو، اور اس (حدیث) سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشرکین کے بچوں کا حکم اس دنیا میں وہی ہے جو ان کے

باپوں پر حکم ہے اور جہاں تک ان کا آخرت میں معاملہ ہے اگر وہ بلوغت سے پہلے مر جائیں تو اس پر علماء کی تین آرا ہیں: (پہلی) صحیح رائے یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے، اور تیسری رائے یہ ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بات طے شدہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم"۔

(شرح النووی علی مسلم،ج٦،ص١٨٩، رقم:٣٢٨١)

یہاں ایک نکتہ بہت قابل غور ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں کہ "کفار کے بچوں کا آخرت کے حکم پر اختلاف ہے" مگر اس دنیا میں انہوں نے کسی اختلاف کا ذکر ہی نہیں کیا یعنی دنیا میں کفار کے بچوں کا وہی حکم ہے جو ان کے باپوں کا حکم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قال الشافعی وحدیث الصعب بن جثامة فی عمرة النبی فان کان فی عمرته الاولی فقد قیل أمر بن أبي الحقیق قبلها وقیل فی سنتها وان کان فی عمرته الآخرة فهو بعد أمر بن أبي الحقیق غیر شك (والله اعلم)صلی الله علیه وسلم ولم نعلمه صلی الله علیه رخص فی قتل النساء والولدان ثم نهی عنه ومعنی نهیه عندنا والله أعلم عن قتل النساء والولدان أن یقصد قصدهم بقتل وهم یعرفون متمیزین ممن أمر بقتله منهم ومعنی قوله هم منهم انهم یجمعون خصلتین أن لیس لهم حکم الایمان الذی یمنع به الدم ولا حکم دار الایمان الذی یمنع به الاغارة علی الدار وغذا أباح رسول الله البیات والاغارة علی الدار فاغار علی بنی المصطلق غارین فالعلم یحیط ان البیات والاغارة اذا حل باحلال رسول الله لم یمتنع أحد بیت أو أغار من أن یصیب النساء والولدان فیسقط المأثم فیهم والکفارة والعقل والقود عن من أصابهم اذ أبیح له أن یبیت ویغیر ولیست لهم حرمة الاسلام ولا یکون له قتلهم

عامدا لهم متميزين عارفا بهم فانما نهى عن قتل الولدان لانهم لم يبلغوا كفرا فيعلموا به وعن قتل النساء لانه لا معنى فيهن لقتال وأنهن والولدان يتخولون فيكونون قوة لاهل دين الله''

''اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ آپ ﷺ نے رخصت دی ہو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ،اور پھر بعد میں اس سے منع کر دیا ہو۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد ،ہمارے مطابق (واللہ اعلم) یہ ہے کہ قصداً اُن کو نہ مارا جائے جبکہ وہ پہچانے جاسکتے ہوں تو اور ان میں تفریق کی جاسکتی ہو ان لوگوں میں سے جن کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے.........اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ (هم منهم) ''یہ انہی میں سے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیات ہیں، ایک یہ کہ ان پر ''ایمان'' کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں) جس سے ان کا خون حرام ہو جائے، اور نہ ہی ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہو اور اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے رات کے حملوں کی اجازت دی اور ان کے گھروں پر حملے کی جب انہوں نے حملہ کیا بنی مصطلق پر اس وقت جب وہ غافل تھے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کے حملے اور چھاپوں کی اجازت جو اللہ کے رسول ﷺ کی اجازت سے تھے اس میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی رات کو حملہ کرے اور چھاپہ مارے بغیر عورتوں اور بچوں کو قتل کئے بغیر.........تو جو گناہ ،کفارہ اور دیت اور قصاص ان پر لاگو نہیں ہوتا ان کے حوالے سے جن پر حملہ کیا گیا ہے۔ اگر رات کے حملے اور چھاپوں کی اجازت ہو اور ان کو اسلام کی حرمت (امان) حاصل نہیں ہے، اور ایسا نہیں ہوتا کہ ان کو قصداً مارا جائے جب ان کو پہچانا جاسکتا ہو یا ان کی تفریق کی جاسکتی ہو اور رہا بچوں کے قتل کرنے کا ممانعت کا معاملہ تو وہ ممانعت اس لئے ہے کہ وہ ابھی کفر پر بالغ نہیں ہوئے ہیں اور اس پر عمل نہیں کیا جس وجہ سے ان کو قتل کیا جاسکے ،اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی

کہ وہ (عورتیں) اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہو سکتی ہے اللہ بزرگ وبرتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے۔"

(الرسالة:٢٩٩)

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''يبيتون:التبييت طُروق العدو ليلاً على غفلة للغارة والنهب، وقوله ((هم منهم))أى حكمهم وحكم أهلهم سواء، وكذلك قوله فى رواية ((هم من آبائهم)) ''

''''یبیتون'' کا مطلب ہے کہ دشمن کے پاس رات کے اور ان کی غفلت کے وقت ان پر حملہ کرنا اور غنیمت لوٹنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ''وہ انہی میں سے ہے'' یعنی اُن (بچوں، عورتوں) کا شرعی حکم اور اُن کے گھر والوں کا (شرعی) حکم ایک ہے۔ اسی طرح کا مفہوم ایک روایت میں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے ''وہ تو اپنے باپوں میں سے ہیں''۔

(جامع الاصول ٢/٧٣٣)

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے میں فرمایا کہ:

''ويجوز قتل النساء والصبيان فى البيات(الهجوم ليلا) وفى المطمورة اذا لم يتعمد قتلهم منفردين، ويجوز قتل بهائمهم ليتوصل به الى قتلهم وهزيمتهم ، وليس فى هذا خلاف''

''عورتوں اور بچوں کا رات کے حملے میں اور انکی رہائش گاہ میں اس صورت میں قتل کرنا جائز ہے کہ جب اکیلے انہیں قتل کرنا مقصود نہ ہو۔ اور اُن (کفار) کے قتل اور اُن کی شکست کیلئے اُن کے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں''۔

(المغنی والشرح ۱۰/۱۵۳)

المغنی ہی میں انہوں نے فرمایا کہ:

''فَصل: وَيَجُوزُ تَبْيِيتُ الْكُفَّارِ، وَهُوَ كَبْسُهُمْ لَيْلًا، وَقَتْلُهُمْ وَهُمْ غَارُّونَ. قَالَ أَحْمَدُ: لَا بَأْسَ بِالْبَيَاتِ، وَهَلْ غَزْوُ الرُّومِ إلَّا الْبَيَاتُ، قَالَ: وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا كَرِهَ بَيَاتَ الْعَدُوِّ، وَقَرَأَ عَلَيْهِ: سُفْيَانُ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ. قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْ الدِّيَارِ مِنْ الْمُشْرِكِينَ، نُبَيِّتُهُمْ فَنُصِيبُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ؟ فَقَالَ: ((هُمْ مِنْهُمْ)). فَقَالَ: اسْنَادٌ جَيِّدٌ. فَإِنْ قِيلَ: فَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ. قُلْنَا: هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى التَّعَمُّدِ لِقَتْلِهِمْ. قَالَ أَحْمَدُ: أَمَّا أَنْ يَتَعَمَّدَ قَتْلَهُمْ أَنَّ نَهْيَهُ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ حِينَ بَعَثَ الَى ابْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ. وَعَلَى أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مُمْكِنٌ، يُحْمَلُ النَّهْيُ عَلَى التَّعَمُّدِ، وَالْإِبَاحَةُ عَلَى مَا عَدَاهُ.''

''فصل: اور کفار پر رات کے وقت (اچانک) حملہ کرنا اور انہیں اس حملے میں قتل کرنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: رات کے وقت حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور رومیوں پر حملے تو صرف رات کے وقت ہی ہوتے تھے۔ اور (امام احمد) نے فرمایا: ''ہمیں نہیں معلوم کہ کسی نے دشمن پر رات کے وقت حملہ کرنے کو مکروہ سمجھا ہو۔ انہیں سفیان نے زہری سے بیان کیا، اُنہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے الصعب بن جثامہ سے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے (ایسے

وقت)سنا کہ (جب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے گھروں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ہم رات کے وقت اُن پر جب حملہ کرتے ہیں تو ہم اُنکی عورتوں اور انکے بچوں کو نشانہ بناتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ تو اُنہی میں سے ہیں''۔ تو(امام احمد نے) کہا کہ اس کی سند جید (اچھی) ہے۔ سو اگر کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کے لیے ان (عورتوں، بچوں) کو جان بوجھ کر قتل کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہیں۔ مزید فرمایا کہ الصعب کی حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کرنے کے بعد کی ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے اُس وقت منع کیا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کی طرف (پیغام) بھیجا تھا، اور ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ بنتی ہے کہ نہی (منع کرنا) کو ارادے سے قتل کرنے پر محمول کیا جائے جبکہ (قتل کے) جواز کو اس (کے ارادے کے بغیر) علاوہ پر محمول کیا جائے''۔

(المغنی،۲۱،ص۱۰۱، رقم:۷۵۷۵)

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''نَعَمْ المحرَّم انما هو قصد قتلهن، فأمَّا اذا قصدن قصد الرِّجال بالاغارة أو برمي منجنيق أو فتح (شق) أو القاء نارٍ فتلِف بذلك نساءٌ أو صِبيان لم نأثم بذلك؛ لحديث الصَّعْبِ بن جَثَّامة أنه سال النبي ﷺ أهل الدَّار من المشركين يُبَيَّتُون فيُصاب الذُّرِّية، فقال((هُمْ مِنْهُمْ))متفق عليه، ولأن النبي ﷺ رمى أهل الطائف بالمنجنيق مع أنه قد يصيب المرأة والصبي، وبكل حال فالمرأة الحربية غير مضمونة بقود ولا ديةٍ ولا كفارةٍ، لأن النبي ﷺ لم

يأمر مَن قتَل المرأة في مغازيه بشيئ من ذلك، فهذا (ما تفارق) به المرأة الذمية، واذا قاتلت المرأة الحربية جاز قتلها بالاتفاق''۔

''عورتوں کو قتل کرنے کا ارادہ حرام ہے البتہ ہم جب (کفار) کے مردوں پر غارت ڈالنے یا توپ چلانے یا آگ پھینکنے کا قصد کرتے ہیں تو اس سے عورتوں اور بچوں کا بھی جانی نقصان ہوتا ہے مگر اس سے گناہ لازم نہیں آتا،اس کی دلیل حدیث صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ ہے۔ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''مشرکین کے گھروں میں بچے بھی ہوتے ہیں اور شب خون مارتے وقت وہ بھی حملے کا شکار ہو جاتے ہیں (تو ان کا کیا حکم ہے)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ انہیں میں سے ہیں''(بخاری ۔ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر سنگ باری فرمائی تو اس میں عورتیں اور بچے بھی شکار بنے، تو اس سے معلوم ہوا کہ حربی عورت (جو کہ ذمی نہ ہو یا کسی عہد کے تحت نہ ہو) اس کو قصداً مارنے پر کوئی سزا لازم نہیں آتی، نہ ہی دیت اور نہ ہی کفارہ، اور یہ اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا ان سے جنہوں نے جنگ کے دوران عورتوں کو قتل کیا۔ اس لئے اس حکم سے ذمی عورت کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ حربی عورت جب جنگ میں شامل ہو تو اس کا قتل بالاتفاق جائز ہو جاتا ہے''۔

(الصارم المسلول، متى حرم قتل النسآء)

یہاں یہ معلوم ہی ہے کہ بلاشبہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک اور رات کے وقت حملے کی حالت میں بچوں کے قتل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ضرورت کے حجم کی تفصیل نہیں پوچھی کہ جس نے مجاہدین کو اس رات کے حملے پر مجبور کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اسی ضرورت کی بنیاد) مجاہدین کے لئے کفار کے معصوم لوگوں یعنی عورتوں اور بچوں کے قتل کو جائز قرار دیں۔ جبکہ شرعی قاعدہ کہتا ہے کہ:

''ترك الاستفصال في مقام الاحتمال ينزل منزلة العموم في المقال''

''احتمال کے مقام پر تفصیل طلب نہ کرنا، قول کو عمومیت کا درجہ دے دیتا ہے''۔

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمومیت والا فرمان کہ ''وہ اُنہی میں سے ہے''، بغیر کسی ضابطے (مخصوص کرنے) کے اسلامی لشکر کے لئے جائز قرار دیتا ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ اُنہیں اچانک حملہ کرنے کی ضرورت ہے تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، خواہ اسکے نتیجے میں عورتیں، بچے اور بوڑھے وغیرہ مارے جائیں اور خواہ اچانک حملہ کرنے کی کوئی شدید ترین ضرورت نہ بھی ہو۔ کیونکہ جس علت (سبب) کی خاطر رات کے وقت حملہ کرنے کی صورت میں عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا جائز ہوا۔ وہ ہے دشمن کی قوت کو کمزور کرنے اور اسکے مدافعتی نظام پر کاری ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔ جو کہ اسکے مردوں کو قتل اور اسکے قلعوں کو گرانے سے حاصل ہوتی ہے، خواہ اس میں غیر جنگجو افراد ہی کام آجائیں۔

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ وہ احادیث جن میں بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت آئی ہے اور جن احادیث میں ان کے قتل کی اجازت دی ہے، ان میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اگر ہم ان ساری احادیث کو جمع کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دراصل جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کیا جائے ۔ البتہ اگر وہ ضمناً مارے جائیں، مثلاً شب خون یا چھاپہ مار کاروائی کی صورت میں، یا جب ان میں اور مقاتلین میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو، پھر انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے جہاد معطل نہیں کیا جاسکتا''۔
>
> (''حكم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الكفار'' باب دوم للشيخ ناصر بن فهد)

لہٰذا عورتوں اور بچوں کے قتل کے جواز کی علت، دشمن کے دفاع کو کمزور کرنا ہی ہے۔ جیسا کہ عورتوں اور بچوں کے قتل کے جواز کی تمام نصوص (دلیلوں) سے واضح ہے (اور جن کا ذکر آئے گا)۔ سو دشمن کی طاقت کے اسٹریٹجک مراکز کو نشانہ بنانے کے سبب عورتوں اور بچوں کا قتل ہونا۔ یہ اچانک حملے الغارہ برابر ہے۔ کیونکہ وہ علت جس کی وجہ سے اچانک حملے (الغارہ) میں کفار کے عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہوا۔ آج بھی وہی (علت) دشمن کے اسٹریجیٹک مراکز کی ایک بڑی شکل کی صورت میں موجود ہے، جس کی مصلحت صرف جنگجوؤں کے قتل سے بڑھ جاتی ہے۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''لَا بَأْس بِالْبَيَاتِ، وَهَلْ غَزْوُ الرُّومِ اِلَّا الْبَيَات، قَالَ: وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا كَرِهَ بَيَاتَ الْعَدُوِّ''

''شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیا روم پر حملہ شب خون کے سوا کچھ بھی تھا ؟'' نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا: ''ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے دشمن پر شب خون مارنے کو ناپسند کیا ہو''۔

(المغنی، ج۲۱، ص۱۰۱، رقم: ۷۵۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''لَا بَأْس بِالْبَيَاتِ وَلَا أَعْلَم أَحَدًا كَرِهَهُ''

''رات کے وقت ان (کفار) پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ کسی (عالم) نے بھی اس بات سے اختلاف کیا ہو''۔

(فتح الباری لابن حجر، ج۹، ص: ۲۲۳۔ باب اہل الدار یبیتون فیصاب)

دوسری صورت

کفار کے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا

اُن معصوم الدّم لوگوں یعنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کہ جن کا قتل کرنا حرام ہے، اُنہیں اس حالت میں قتل کرنا جائز ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھالیں یا ایسے کام سرانجام دیں کہ جو لڑائی کے کاموں کے معاون بنیں۔ خواہ یہ جاسوسی کرنے یا امداد دینے یا رائے دینے یا اسی طرح کے دوسرے کام ہوں۔

یہ (جواز) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علت کو اُس حدیث میں بیان کرنے کی وجہ سے واضح ہے جو احمد اور ابوداؤد نے رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا))

”اُنہوں نے کہا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں (شریک) تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کسی چیز پر اکٹھے ہوتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا دیکھو یہ لوگ کس چیز پر اکٹھے ہوئے ہیں۔ تو وہ آدمی (واپس) آیا اور کہا، کہ ایک مقتول عورت پر، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی۔ (راوی) کہتے ہیں کہ اس لشکر کے ہر اول دستے پر خالد

بن ولید مامور تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا کہ:"خالد سے کہو کہ کسی عورت کو قتل کرے اور نہ کسی مزدور کو"۔

(سنن ابی داود، ج۷، ص۲۷۴، رقم الحدیث:۲۲۹۵)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"فان مفھومه أنها لو قاتلت لقتلت"

"اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ لڑائی کرے تو قتل کیے جائیں گے"۔

(الفتح۶/۱۴۸)

امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى الْعَمَل بِهَذَا الْحَدِيث، وَتَحْرِيم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان إِذَا لَمْ يُقَاتِلُوا، فَإِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاهِير الْعُلَمَاء: يُقْتَلُونَ"

" علماء کا اس حدیث پر عمل کرنے اور عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اس صورت میں اجماع ہے کہ اگر وہ لڑائی نہ لڑیں۔اگر وہ بھی لڑیں تو جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اس صورت میں اُنہیں قتل کیا جائیگا"۔

(شرح النووی، ج۶، ص۱۸۸، رقم:۳۲۸۰)

آپ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''وكذلك كل من لم يكن من أهل القتال لا يحل قتله الا اذا قاتل حقيقة أو معنى بالرأى والطاعة والتحريض وأشباه ذلك)وتأمل قوله ((قاتل حقيقة أو معنى بالرأى والطاعة والتحريض وأشباه ذلك''

''اسی طرح ہر اُس شخص کا قتل کرنا حلال نہیں جو لڑائی کے اہل لوگوں میں سے نہ ہو ماسوائے اس کے کہ وہ حقیقت میں لڑے یارائے دے کر اور (دشمن کی) اطاعت کر کے اور لڑائی پر دشمن کو برانگیختہ کر کے اور اسی قسم کے کسی دوسرے طریقے سے معنوی طور پر لڑائی میں حصہ لے''۔

(شرح النووی علی مسلم ۷/۳۲۴)

آپ ذرا امام النووی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر غور کیجئے کہ وہ حقیقت میں لڑے یا رائے دیکر اور (دشمن کی) اطاعت کر کے اور (دشمن کو) لڑائی پر اُبھار کر یا اسی قسم کے دوسرے طریقے سے معنوی طور پر لڑائی میں حصہ لے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں فرمایا کہ:

''وأما من لم يكن من أهل الممانعة والمقاتلة كالنساء والصبيان والراهب، والشيخ الكبير والأعمى الزّمِن ونحوهم فلا يُقتل عند جمهور العلماء الا أن يقاتل بقوله أو فعله ، وان كان بعضهم يرى اباحة قتل الجميع لمجرد الكفر والأول هو الصواب''

''رہے وہ لوگ کہ جو جنگجوؤں اور لڑنے والوں میں شمار نہیں ہوتے جیسے عورتیں اور بچے اور راہب (پادری) اور بوڑھا شیخ اور دائمی نابینا اور ان جیسے دوسرے، تو جمہور علماء کے نزدیک اُنہیں قتل نہیں کیا جائے گا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے قول یا فعل کیساتھ لڑتے ہیں''۔

(السياسة الشرعية ص: ۱۳۲۔۱۳۳)

آپ ذرا اُن کے اس فرمان پر غور کریں کہ ”ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے قول یا فعل سے لڑے“۔ یہ بات اور نووی کی سابقہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن لوگوں کا قتل قصداً حرام ہے، اگر وہ مسلمانوں کے مخالف جنگجوؤں کی اپنے اقوال یا افعال کے ساتھ مدد کریں گے تو اُنہیں نشانہ بنا کر قتل کرنا جائز ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

((انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))

”اللہ کا نام لے کر نکلو، اور اس اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوتے ہوئے، اور بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل کرو اور نہ بچے کو اور نہ چھوٹے کو اور نہ عورت کو، اور غنیمتوں میں خیانت نہ کرو، اور اپنی غنیمت کو اکٹھا کرو، اور اصلاح کرو۔ بلاشبہ نیکی کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے“۔

(سنن ابی داود، ج۷، ص۱۹۵، رقم الحدیث۲۲۴۷)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

’’وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا‘‘

”اور کسی بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل نہ کرو“۔

کی شرح کرتے ہوئے عون المعبود کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:

''أَيْ إِلَّا إِذَا كَانَ مُقَاتِلًا أَوْ ذَا رَأْيٍ، وَقَدْ صَحَّ أَمْرُه عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَتْلِ دريد بن الصمة، وَكَانَ عُمُره مِائَة وَعِشْرِينَ عَامًا أَوْ أَكْثَر، وَقَدْ جِيئَ بِهِ فِي جَيْش هَوَازِن لِلرَّأْيِ الظَّاهِر أَنَّهُ بَدَل أَوْ بَيَان أَيْ صَبِيًّا دُون الْبُلُوغ وَاسْتُثْنِيَ مِنْهُ مَا إِذَا كَانَ مَلِكاً أَوْ مُبَاشِرًا لِلْقِتَالِ أَيْ اذا لَمْ تَكُنْ مُقَاتِلَة أَوْ مَلِكَة''

''یعنی، مگر یہ کہ وہ لڑنے والا ہو یا (دشمن کو) رائے دینے والا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درید بن الصمۃ کو قتل کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے، حالانکہ اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی یا اس سے زیادہ تھی، اس لئے کے اُسے ہوازن (قبیلے) کے لشکر میں رائے دینے کے لئے لایا گیا تھا. اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ نہ بچے کو نہ چھوٹے کو اس سے اُسے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو بادشاہ ہو یا لڑائی میں براہ راست حصہ لینے والا ہو۔ نہ کسی عورت کو یعنی اگر وہ لڑنے والی نہ ہو یا ملکہ نہ ہو''۔

(عون المعبود، ج٦، ص٣٧، رقم:٢٢٤٧)

امام الزیلائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فَإِذَا كَانَ يَجُوزُ قَتْلُ صِبْيَانِ الْمُشْرِكِينَ لِمَصْلَحَةِ الْمُسْلِمِينَ فَقَتْلُ شُيُوخِهِمْ أَوْلَى اذَا كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ بِأَنْ كَانَ مَلِكاً وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَصْلَحَةٌ لَا يُقْتَلُ إلَّا اذَا قَاتَلَ فَيُقْتَلُ دَفْعًا''

''اگر اس کی اجازت ہے کہ مشرکین کے بچوں کو قتل کیا جائے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے تو بوڑھوں کو قتل کرنے کی اجازت اس سے بھی زیادہ جائز ہے اگر یہ کرنے سے فائدہ ہو جیسے وہ اگر بادشاہ ہو۔ مگر جب فائدہ نہ ہو تب ان کو نہیں قتل کرنا چاہئے الا یہ کہ وہ لڑیں تو اس صورت میں ان کو قتل کرنا چاہئے، تاکہ ان کے (نقصان) سے بچا جاسکے'' ۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۹، ص۲۸۱۔ کتاب السیر)

فقہاء نے ایسی عورت کے قتل کے جواز کا کہا ہے کہ جو مسلمانوں کیخلاف لڑائی میں جنگجوؤں کی مادی یا معنوی کسی بھی قسم کی اعانت کرے۔ اُنہوں نے اس کیلئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابن ماجہ میں مروی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ایک عورت قلعے پر چڑھی اور اس نے مسلمانوں کے سامنے اپنی شرمگاہ کو ننگا کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھادونکم فارموھا))

''یہ تمہارے سامنے ہے اسے تیر مارو''۔

تو (صحابہ کرام) نے اُسے تیر مارا اور اُسے قتل کر ڈالا۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر فقہاء نے اس حدیث سے ایسی عورت کے قتل کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جو کہ اگرچہ لڑائی نہ کرے مگر (مسلمانوں کے خلاف) جنگ کرنے والوں کی کسی قول یا فعل سے اعانت کرے تو اُسے قصداً قتل کرنا جائز ہے۔ امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے میں فرمایا:

''فَصْلٌ: وَلَوْ وَقَفَتْ امْرَأَةٌ فِي صَفِّ الْكُفَّارِ أَوْ عَلَى حِصْنِهِمْ ،فَشَتَمَتْ الْمُسْلِمِينَ ، أَوْ تَكَشَّفَتْ لَهُمْ ،جَازَ رَمْيُهَا قَصْدًا ؛ لِمَا رَوَى سَعِيدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ،عَنْ عِكْرِمَةَ،قَالَ:((لَمَّا حَاصَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الطَّائِفِ أَشْرَفَتْ امْرَأَةٌ،فَكَشَفَتْ عَنْ قُبُلِهَا،فَقَالَ:هَا دُونَكُمْ فَارْمُوهَا.فَرَمَاهَا رَجُلٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ،فَمَا أَخْطَأَ ذَلِكَ مِنْهَا))وَيَجُوزُ النَّظَرُ الَى فَرْجِهَا لِلْحَاجَةِ الَى رَمْيِهَا ؛لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ ضَرُورَةِ رَمْيِهَا. وَكَذَلِكَ يَجُوزُ رَمْيُهَا اذَا كَانَتْ تَلْتَقِطُ لَهُمْ

السِّهَامَ ،أَوْ تَسْقِيهِمْ،أَوْتُحَرِّضُهُمْ عَلَى الْقِتَالِ؛لِأَ نَّهَا فِي حُكْمِ الْمُقَاتِلِ.وَهَكَذَا الْحُكْمُ فِي الصَّبِيِّ وَالشَّيْخِ وَسَائِرِ مَنْ مُنِعَ مِنْ قَتْلِهِ مِنْهُمْ ''

"فصل:اگر کوئی عورت کفار کی صف میں یا اُنکے قلعے پر کھڑی ہو کر مسلمانوں کو گالیاں دے یا اُنکے سامنے ننگی ہو جائے تو اُسے قصداً مارنا جائز ہے۔ جس کی وجہ وہ روایت ہے کہ جس میں سعید نے کہا کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا کہ ایوب سے اُنہوں نے عکرمہ سے انہوں نے کہا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کا محاصرہ کیا تو ایک عورت ظاہر ہوئی اور اس نے اپنی شرمگاہ کو ننگا کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے سامنے ہے اسے تیر مارو تو اُسے مسلمانوں میں ایک مسلماننے تیر مارا اور اُس کا نشانہ اُس عورت کی شرمگاہ سے نہ چوکا۔ اور (اس حالت میں) اُس (عورت) کی شرمگاہ کی طرف، اُس پر تیر مارنے کیلئے دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ اس (کی شرمگاہ پر تیر) چلانے کی ضرورت کی غرض سے ہے۔ اسی طرح اُسے تیر مارنا اُس وقت بھی جائز ہے کہ جب وہ ان پر (دشمنوں) کے لئے تیر اکٹھے کرے یا اُنہیں پانی پلائے یا انہیں لڑائی پر اُبھارے کیونکہ یہ اس صورت میں جنگجو کے حکم میں ہے۔ یہی اس (عورت) کا اور تمام لوگوں کا (شرعی) حکم ہے کہ جن کے قتل سے منع کیا گیا ہے"۔

(المغنی ،ج۲۱،ص۱۰۴، رقم:۷۵۷۸)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے میں فرمایا:

''لم يختلف العلماء فيمن قاتل من النساء والشيوخ أنه مباح قتله، ومن قدر على القتال من الصبيان وقاتل قتل ''

''علماء کا اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو عورتوں اور بوڑھوں میں سے لڑے تو اسکا قتل کرنا جائز ہے۔ اور بچوں میں جو لڑنے کی قدرت رکھے اور لڑے تو اُسے (بھی) قتل کیا جائے گا''۔

(الاستذکار ۱۴/۷۴)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے میں کہا کہ:

''وأجمعوا علی أن رسول الله ﷺ قتل درید بن الصمة یوم حنین لأنه کان ذا رأی ومکیدة فی الحرب،فمن کان هکذا من الشیوخ قتل عند الجمیع''

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے درید بن الصمۃ کو حنین کے روز قتل کیا تھا کیونکہ وہ جنگ میں مشورہ دینے والا اور سازش کرنے والا تھا۔ لہٰذا بوڑھوں میں سے جو کوئی بھی اس طرح کا ہو تو سب (علماء) کے نزدیک اُسے قتل کیا جائے گا۔''

(التمہید ۱۶/۴۲)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ عورتوں، بچوں اور بڑی عمر کے لوگوں کا قتل ایسے وقت میں جائز ہے کہ جب وہ لڑائی میں اپنی قوم کی کسی بھی قسم کی اعانت کریں۔ اسی طرح النووی نے مسلم کی شرح میں کتاب الجہاد میں یہ اجماع نقل کیا ہے:

''وَأَمَّا شُيُوخُ الْكُفَّارِ فَإِنْ كَانَ فِيهِمْ رَأْيٌ قُتِلُوا''

''کفار کے ایسے بوڑھے کہ جو صاحب رائے ہو تو اسے قتل کیا جائے گا''۔

(شرح النووی علی مسلم ،ج٦،ص١٨٨، رقم:٣٢٨٠)

امام ابن النحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ویحرم قتل المرأة والصبی ان لم یقاتلا، عند الشافعی ومالك واحمد وابی حنیفة، فان قاتلاقتلا۔''

''کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے اگر وہ نہ لڑیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ،مالک رحمۃ اللہ علیہ ، احمد رحمۃ اللہ علیہ ،اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مگر جب وہ لڑیں تب ان کو مارا جائے گا''۔

(مشارع الاشواق،ج٢،ص١٠٢٣۔هداة المجتهد،ج١،ص٤٠٠)

امام ابن الہام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور جیسے کہ کوئی بھی ان میں سے لڑے (یعنی جن کے قتل کی اصلاً ممانعت ہے) تو ان کو قتل کرنا چاہئے تا کہ ان کے نقصان سے بچا جاسکے یہ اس لئے کہ (حقیقت قتال) میں جائز ہے اور پاگل شخص کو نہیں مارا جائیگا جب تک وہ نہ لڑے اور اگر بچہ اور پاگل لڑے تو ان کو قتل کیا جائیگا''۔

(شرح فتح القدیر،ج٥،ص٢٠٣)

امام ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور اس طرح اس کی اجازت ہے کے گونگے، بہرے کو قتل کیا جائے اور جس کا ایک ہاتھ یا ٹانگ ہو اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ لڑ سکتے ہوں (گھوڑے پر) اور اس طرح عورت کو قتل کیا جائیگا اگر وہ لڑے''۔

(حاشیہ ابن عابدین، ج۳، ص۲۲۵)

ابن قاسم نے الحاشیہ میں (یہ اجماع) نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وأجمعوا على أن حكم الردئ حكم المباشر في الجهاد، ونقل عن ابن تيمية رحمه الله هذا الاجماع، ونقل عن ابن تيمية أيضا أن أعوان الطائفة الممتنعة وأنصارها منها فيما لهم وعليهم''

''(علماء) کا اس بات پر اجماع ہے کہ جہاد میں (پیچھے سے) دفاع کرنے کا حکم براہ راست لڑنے کا حکم ہے''۔ اس پر انہوں نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اجماع نقل کیا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی سے یہ بھی نقل کیا کہ طاقت وشوکت والے (لڑنے والی) جماعت کے مددگار اُسی حکم کے تحت (شمار کئے جائیں گے) جو حکم اس جماعت کے لئے ہے۔ جو کچھ اس (لڑنے والی جماعت) پر ہے وہی ان (مددگاروں) کے لئے اور اُن پر لاگو ہوگا''۔

یہ شرعی حکم ہے ان لوگوں کا کہ جو جنگ میں کفار کی اعانت کرتے ہیں اور یہ معصوم الدم یعنی عورتیں، بچے، بوڑھے اور جو کوئی ان کے حکم میں ہو جنہیں آج کے اس دور میں ''عام شہری'' کہا جاتا ہے۔

لہٰذا آج کفار کے ممالک کے عوام فیصلہ کرنے والوں اور اہل رائے میں شمار ہوتے ہیں خواہ یہ رائے عسکری ہو یا سیاسی کیونکہ کفار کے ممالک کی انتظامیہ جن رائے عامہ کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہے وہ اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ بلاشبہ ان کی عوام ہی اپنے براہ راست ووٹوں کے ذریعے اور پارلیمنٹ

میں اپنے نمائندوں کے ووٹوں کے ذریعے بالواسطہ طور پر فیصلے کرتے ہیں۔ لہٰذا رائے عامہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسلام دشمنی کے ان کے سیاسی فیصلوں میں ان کی عوام کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر جگہ ان کفار کے ممالک کے عوام کو خواہ جو اپنے ہاتھ سے لڑے یا اپنی رائے سے لڑائی (اپنی حکومت) کی اعانت کرے، نشانہ بنانا، ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ چونکہ یہ ان کے عوام کی غالب اکثریت کی حالت ہے اس لئے شرعی حکم بھی غالب اکثریت کی بناء پر عام ہوتا ہے۔

تیسری صورت

جب دشمن پر عام تباہی مسلط کرنا مقصود ہو

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل کے جواز کی حالتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب دشمن کے قلعوں کو فتح کرنے کیلئے مسلمانوں کو انہیں جلانے یا پانی میں غرق کرنے یا ان میں زہر پھیلانے یا اُن میں دھواں پھیلانے یا ان میں سانپ، بچھو اور زہریلے کیڑے مکوڑے چھوڑنے کی ضرورت پڑے خواہ اس کے نتیجے میں معصوم لوگ ہی مارے جائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی کہ:

((بَاب حَرْقِ الدُّورِ وَالنَّخِيلِ: عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ حَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ))

"کھجور کے درختوں اور گھروں کا جلانے کا باب۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا"۔

(صحیح البخاری، ج۱۰، ص۲۱۹، رقم الحدیث:۲۷۹۸)

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾))

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا اور کاٹ ڈالا بویرہ نامی زمین میں۔ پس اللہ تعالی نے یہ (آیت) نازل کی: ''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے''۔

(صحیح البخاری، ج۱۵، ص۱۵۱، رقم الحدیث:۴۵۰۵)

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا أُبْنَى فَقَالَ ائْتِ أُبْنَى صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ))

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''اُبنیٰ''(یابُنیٰ) نامی سرزمین کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''صبح وہاں جاؤ، پھر اس (بستی) کو جلا ڈالو''۔

(مسند احمد، ج۴۴ص۲۵٦، رقم الحدیث:۲۰۷۸٦۔سنن ابن ماجۃ، ج۸ص۳٦۸، رقم الحدیث:۲۸۳۳)

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''أُبنى ويُبنى: اسم موضع بين عسقلان والرملة من أرض فلسطين''

''اُبنی اور یُبنی: سر زمین پر الرملہ اور عسقلان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

(جامع الاصول ۲/۶۱۷)

لہٰذا دشمن کو جلانا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ بلاشبہ آگ جلانے سے کئی معصوم لوگ بھی قتل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح جانور اور کھیتیاں ہلاک ہوتی ہیں اور ان سب کو زندہ بچائے رکھنے کی مصلحت، انہیں ختم کرنے کی مصلحت سے کم تر ہے۔ کیونکہ شوکت وقوت والے دشمن کے قتل کرنیکی مصلحت، اُسکے علاوہ دوسروں کو (زندہ) چھوڑنے کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں فرمایا:

''وَقَدْ رَوَى حَمْزَةُ الْأَسْلَمِيُّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّرَهُ عَلَى سَرِيَّةٍ ، قَالَ: فَخَرَجْت فِيهَا، فَقَالَ: ((إنْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا، فَأَحْرِقُوهُ بِالنَّارِ)) فَوَلَّيْت، فَنَادَانِي، فَرَجَعْت، فَقَالَ: ((إنْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا، فَاقْتُلُوهُ، وَلَا تُحْرِقُوهُ؛ فَإِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إلَّا رَبُّ النَّارِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُد ، وَسَعِيدٌ . وَرَوَى أَحَادِيثَ سِوَاهُ فِي هَذَا الْمَعْنَى . وَرَوَى الْبُخَارِيُّ ، وَغَيْرُهُ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمْزَةَ . فَأَمَّا رَمْيُهُمْ قَبْلَ أَخْذِهِمْ بِالنَّارِ، فَإِنْ أَمْكَنَ أَخْذُهُمْ بِدُونِهَا، لَمْ يَجُزْ رَمْيُهُمْ بِهَا ؛ لِأَنَّهُمْ فِي مَعْنَى الْمَقْدُورِ عَلَيْهِ ، وَأَمَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْهُمْ بِغَيْرِهَا ، فَجَائِزٌ ، فِي قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ . وَبِهِ قَالَ الثَّوْرِيُّ ، وَالْأَوْزَاعِيُّ ، وَالشَّافِعِيُّ . وَرَوَى سَعِيدٌ ، بِإِسْنَادِهِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو ، وَحَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ أَنَّ جُنَادَةَ بْنَ أُمَيَّةَ الْأَزْدِيَّ ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ الْفَزَارِيَّ ، وَغَيْرَهُمَا مِنْ وُلَاةِ

الْبَحْرَيْنِ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، كَانُوا يَرْمُونَ الْعَدُوَّ مِنْ الرُّومِ وَغَيْرِهِمْ بِالنَّارِ، وَيُحَرِّقُونَهُمْ، هَؤُلَاءِ لِهَؤُلَاءِ، وَهَؤُلَاءِ لِهَؤُلَاءِ. قَالَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ: لَمْ يَزُلْ أَمْرُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى ذَلِكَ.''

''حمزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ایک دستے میں امیر بنایا۔(حمزہ) کہتے ہیں کہ میں اس (دستے) کے ساتھ نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم فلاں آدمی کو پکڑو تو اسے آگ سے جلا ڈالو۔ (حمزہ کہتے ہیں کہ میں) جانے کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی، تو میں واپس لوٹ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم فلاں کو پکڑو تو اُسے قتل کر ڈالو مگر جلانا نہیں کیونکہ آگ سے سوائے آگ کے رب کے اور کوئی نہیں جلاتا۔ اسے ابو داؤد اور سعید نے روایت کیا اور (سعید) نے اس معنی کی اس کے علاوہ کئی احادیث بیان کی ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حمزہ کی حدیث کی مانند روایت کی ہے۔ لہٰذا ان کفار کو آگ سے جلائے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو پھر انہیں جلانا جائز نہیں کیونکہ وہ اُن لوگوں کے حکم میں شامل ہو جاتے ہیں کہ جن پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس (جلانے کے) بغیر انہیں پکڑنا ناممکن ہو تو اس صورت میں اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز ہے۔ یہی موقف الثوری رحمۃ اللہ علیہ، الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ سعید نے اپنی اسناد کے ساتھ صفوان بن عمرو اور جریر بن عثمان سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ جنادہ بن امیہ الازدی اور عبد اللہ بن قیس الفزازی اور اُن کے علاوہ بحرین کے حکمران اور ان کے بعد آنے والے (حکمران) رومی دشمنوں وغیرہ پر آگ پھینک کر انہیں جلاتے تھے، یہ انہیں اور وہ اُنہیں جلاتے۔ عبد اللہ بن قیس نے کہا کہ مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح چلتا رہا''۔

(المغنی، ج۲۱، ص۱۰۰، رقم: ۷۵۷۳)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

''فَصْلٌ: وَكَذٰلِكَ الْحُكْمُ فِي فَتْحِ الْبُثُوقِ عَلَيْهِمْ، لِيُغْرِقَهُمْ، اِنْ قُدِرَ عَلَيْهِمْ بِغَيْرِهِ، لَمْ يَجُزْ، اِذَا تَضَمَّنَ ذٰلِكَ اِتْلَافَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ، الَّذِينَ يَحْرُمُ اِتْلَافُهُمْ قَصْدًا، وَاِنْ لَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِمْ اِلَّا بِهِ، جَازَ، كَمَا يَجُوزُ الْبَيَاتُ الْمُتَضَمِّنُ لِذٰلِكَ''

'' اسی طرح (دریاؤں، جھیلوں وغیرہ کے) بند دشمن کو غرق کرنے کیلئے کھول دینے کا حکم ہے کہ اگر اس کے بغیر اُس پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ایسا (غرق کرنے کا) کام جائز نہیں کہ جس میں وہ عورتیں اور بچے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو کہ جنہیں قصداً ضائع کرنا حرام ہوتا ہے۔ اگر دشمن پر اس (کام) کے بغیر غلبہ ممکن نہ ہو تو پھر یہ اُسی طرح جائز ہے کہ جیسے رات کے وقت حملہ کرنے میں ان (معصوم لوگوں) کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے''

(المغنی، ج۲۱، ص۱۰۰، رقم: ۷۵۷۴)

امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے المنہاج اور مغنی المحتاج کی شرح میں کہا:

''وَيَجُوزُ حِصَارُ الْكُفَّارِ فِي الْبِلَادِ وَالْقِلَاعِ وَاِرْسَالُ الْمَاءِ عَلَيْهِمْ وَرَمْيُهُمْ بِنَارٍ وَمَنْجَنِيقٍ''

'' کفار کا کسی علاقے اور قلعوں میں محاصرہ کرنا اور اُن پر پانی چھوڑنا اور آگ اور منجنیق سے گولہ باری کرنا اور غفلت کے اوقات میں اُن پر حملہ کرنا جائز ہے''۔

(مغنی المحتاج، ۱۷، ص۳۰۳)

مغنی المحتاج کے مؤلف، امام النووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات پر تعلیق کرتے ہوئے اپنی مصدر میں کہتے ہیں کہ:

''وَمَا فِي مَعْنَى ذَلِكَ مِنْ هَدْمِ بُيُوتِهِمْ، وَقَطْعِ الْمَاءِ عَنْهُمْ، وَإِلْقَاءِ حَيَّاتٍ أَوْ عَقَارِبَ عَلَيْهِمْ وَلَوْ كَانَ فِيهِمْ نِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ﴾، وَفِي الصَّحِيحَيْنِ ((أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاصَرَ أَهْلَ الطَّائِفِ)) وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ ''أَنَّهُ نَصَبَ عَلَيْهِمُ الْمَنْجَنِيقَ''، وَقِيسَ بِهِ مَا فِي مَعْنَاهُ مِمَّا يَعُمُّ الْإِهْلَاكُ بِهِ.

''اسی معنی میں ان کے گھر منہدم کرنے، اُنکا پانی روکنا اور اُن پر سانپ یا بچھو پھینکنا ہے، خواہ اُن میں عورتیں اور بچے ہی ہوں۔ اللہ تعالی کے اس فرمان کی رو سے: ﴿وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ﴾ ''ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو''۔ صحیحین میں ہے کہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا گھیراؤ کیا اور بیہقی اور صحیحین میں ہے کہ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کی۔ اسی پر ہر اُس چیز کا قیاس کیا گیا کہ جس سے عام ہلاکتیں ہوں''۔

(مغنی المحتاج، ۱۷، ص۳۰۳)

مزید فرماتے ہیں:

''وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّهُ يَجُوزُ إِتْلَافُهُمْ بِمَا ذُكِرَ وَإِنْ قَدَرْنَا عَلَيْهِمْ بِدُونِهِ''

'' اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہیں مذکورہ (ہتھیاروں) سے ہلاک کرنا جائز ہے، خواہ ہم اُن پر اس کے غلبے کے بغیر ہی غلبہ حاصل کر سکتے ہوں''۔

(مغنی المحتاج، ۱۷، ص۳۰۳)

صحابہ اپنے دشمنوں کے ساتھ یہی سلوک اپناتے تھے۔ سنن سعید بن منصور میں آیا ہے کہ:

((أن جنادة بن أبي أميرة الأزدی وعبد الله بن قيس الفزازی وغيرهما من ولاة البحر من بعدهم كانوا يرمون العدو من الروم وغيرهم بالنار، ويحرّقونهم هؤلاء لهؤلاء، وهؤلاء لهؤلاء))

''بلاشبہ جنادہ بن امیۃ الازدی اور عبد اللہ بن قیس الفزازی اور اُن کے علاوہ ان کے بعد آنے والے دوسرے بحرین کے حکمران رومی دشمنوں وغیرہ پر آگ پھینکتے تھے اور یوں اُنہیں جلاتے اور وہ اُنہیں جلاتے تھے''۔

(سنن سعید بن منصور ۲/۲۴۴)

عبد اللہ بن قیس الفزازی سے روایت ہے کہ:

((أنه كان يغزو على الناس فی البحر على عهد معاوية وكان يرمی العدو بالنار ويرمونه، ويحرقهم ويحرقونه وقال: لم يزل أمر المسلمين على ذلك))

''وہ معاویہ کے عہد میں لوگوں پر سمندر میں حملے کرتے اور وہ دشمن پر آگ پھینکتے اور وہ (دشمن) ان پر، یہ اُنہیں جلاتے اور وہ انہیں۔ انہوں نے کہا مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح چلتا رہا''۔

فتح القدیر میں ہے:

''قَالَ (وَنَصَبُوا عَلَيْهِمْ الْمَجَانِيقَ) كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ (وَحَرَّقُوهُمْ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ. قَالَ (وَأَرْسَلُوا عَلَيْهِمْ الْمَاءَ وَقَطَّعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ) لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ إلْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَةَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا، (وَلَا

بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ، وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ) لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ''

''اور فرمایا (اور ان کفار پر منجنیق نصب کر سکتے ہیں) جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی (اور ان کو جلا سکتے ہیں) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلایا تھا بویرہ کی زمین کو۔ پھر فرمایا (اور ان پر پانی چھوڑا جا سکتا ہے اور درخت کاٹے جا سکتے ہیں اور ان کی کھیتیاں برباد کی جا سکتی ہیں) تا کہ اس کے ذریعے سے ان پر غیض وغضب کا اظہار ہو سکے اور ان کی قوت کمزور پڑ جائے اور ان کی جماعت بکھر جائے، پس یہ سب افعال شریعت کی نظر میں جائز ہیں۔ (اسی طرح ان پر سنگ باری کی جا سکتی ہے چاہے ان میں مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر موجود ہوں) کیونکہ عام سنگ باری کے ذریعے اس عام ضرر کو دور کیا جاتا ہے جو کہ اسلام کے روشن چہرے کو بگاڑ رہا ہو، لہٰذا مسلمان قیدی یا تاجر کا قتل ایک استثنائی معاملہ ہے''۔

(فتح القدیر، ج۱۲، ص۳۱۸)

امام ابن نحاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یجوز نصب المنجنیق علیهم ورمیهم بالنار وارسال الماء علیهم، وان كان فیهم نساء وصبیان منهم، فان كان فیهم مسلم أسیر أوتاجر أومستامن كره ان لم تكن ضرورة والا لم یكره على الذهب''

"اسکی اجازت ہے کہ ان پر حملہ کیاجائے منجنیق، آگ، پانی میں غرق کرنے سے اگرچہ اس میں عورتیں اور بچے کیوں نہ ہوں۔ مگر جب ایک مسلمان قیدی یا تاجر یا مستامن ہو تو تب یہ مکروہ ہے مگر یہ کہ کوئی ضرورت ہو"۔

(مشارع الاشواق، ج۲، ص۱۰۲۴)

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حدیث ابن عمررضی اللہ عنہ دال علی للمسلمین ان یکیدوا عدوھم من المشرکین بکل مافیہ تضعف شوکتھم، وتھین کیدھم، وتسھیل الوصول الی الظفر بھم، من قطع ثمارھم ، وتغویر میامھم، والتضیق علیھم بالحصار، وممن اجاز ذلك الکوفیون ومالك والشافعی واحمد واسحاق والثوری وابن القاسم، وقال الکوفیون: یحرق شجرھم، وتحرق بلادھم، وتذبح الانعام وتعرقب اذا لم یمکن اخراجھا"

" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی اجازت ہے کہ مسلمان اپنے دشمن جو مشرکین میں سے ہوں انکے خلاف کوئی بھی تدبیر کرے جس سے انکے حوصلے پست ہوں، انکی تدبیریں کمزور ہوں اور جس سے ان کے خلاف فتح آسان ہو چاہے ان کے پھلوں کے درخت کاٹے جائیں، ان کے پانی میں زہر ڈالا جائے، ان پر دباؤ ڈالا جائے محاصرہ کے ذریعے، اور وہ لوگ جنہوں نے اسے حلال قرار دیا ان میں احناف، امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور احناف تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے درخت جلائے جاسکتے ہیں، ان کے ممالک تباہ کئے جاسکتے ہیں، ان کے مویشی ذبح کئے جاسکتے ہیں، اور ان کی زمین پر بچھو چھوڑے جاسکتے ہیں اگر ان کو نکالا نہ جاسکے"۔

(عمدة القاری، ج۱۴، ص۲۷۰)

جمہور علماء کی رائے ہے کہ ضرورت کے وقت ان وسائل کے ذریعے کہ جن میں جنگجو اور معصوم کے درمیان کا فرق نہ رہے مثلاً آگ سے جلانا، پانی میں غرق کرنا، عمارتیں منہدم کرنا، زہر پھیلانا اور دھواں پھیلانا وغیرہ ایسے وقت جائز ہیں کہ جب دشمنوں کو شکست دینے اور اُن پر کامیابی اس کے بغیر ممکن نہ ہو۔ مگر جب انکے بغیر کامیابی ممکن ہو تو پھر جائز نہیں، جبکہ شافعیہ اسے مطلق طور پر جائز قرار دیتے ہیں خواہ اُن پر اس طریقے سے غلبہ ہو یا اسکے بغیر۔ واللہ اعلم

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں:

"چنانچہ زیرِ بحث مسئلے میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا کہ اگر مجاہدین اس نتیجے پر پہنچیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کئے بغیر "کفار کے شر" سے نجات پانا ممکن نہیں تو ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا، خواہ ایسا کرنے میں سب کے سب کفار مارے جائیں (یعنی وہ بھی جنہیں قصداً مارنا جائز ہے اور ضمناً وہ بھی جنہیں مارنا اصلاً حرام ہے)"۔

("حکم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الکفار" باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

چوتھی صورت

جب کفار پر سنگ باری کرنا مقصود ہو

جن حالتوں میں (کافر) جنگجوؤں کے معصوم وغیر معصوم کی پہچان نہیں رہتی، جیسے توپیں، ٹینک، طیاروں کے بم اور اسی قسم کے دوسرے اسلحہ کے استعمال کے دوران۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی اور اُن پر اس سے سنگ باری کی۔

''أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ''

''رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق استعمال کی''۔

(سنن الترمذی، ج۹، ص۴۲۸، رقم الحدیث:۲۶۸۶)

امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے المہذب میں کہا:

''فصل ولا يجوز قتالهم بالنار والرمي عن المنجنيق الا لضرورة لأنه لا يجوز أن يقتل الا من يقاتل والقتل بالنار أو المنجنيق يعم من يقاتل ومن لا يقاتل وان دعت اليه الضرورة جاز كما يجوز أن يقتل من لا يقاتل اذا قصد قتله للدفع''

''فصل: اُن سے آگ کے ساتھ لڑنا جائز نہیں اور نہ منجنیق کے ماسوائے ضرورت کے کیونکہ صرف لڑنیوالے کو ہی قتل کرنا جائز ہے۔ جبکہ آگ یا منجنیق کے ذریعے لڑنے اور نہ لڑنے والے سب کا قتل عام ہوتا ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت یہ جائز ہے۔ جیسا کہ غیر جنگجو کو دفاع کے لئے قتل کرنا جائز ہے''۔

جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے مطلقاً استعمال کے جواز کے قائل ہیں یعنی ضرورت یا بلا ضرورت۔

(المہذب۲/۲۱۹)

المبدع کے مؤلف نے فرمایا:

''ورميهم بالمنجنيق نص عليه......أحمد......((لأنه ﷺ نصب المنجنيق على أهل الطائف))رواه الترمذي مرسلا ونصبه عمرو بن العاص على

الاسکندرية ولأن الرمي به معتاد كالسهام وظاهره مع الحاجة وعدمها وفي المغني هو ظاهر كلام الامام وقطع المياه عنهم وكذا السابلة وهدم حصونهم وفي المحرر والوجيز والفروع هدم عامرهم وهو أعم لأن القصد اضعافهم وارہابهم ليجيبوا داعي الله''

''انہیں منجنیقوں کے ذریعے نشانہ بنانا۔اس پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔اسے الترمذی نے مرسل روایت کیا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے اسکندریہ پر نصب کیا۔چونکہ اس کے ساتھ سنگ باری عام تھی جیسا کہ تیروں کا استعمال عام تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرورت اور بغیر ضرورت کے وقت استعمال ہوتا تھا اور المغنی میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ اُن (کافروں) سے پانی روکنا، اسی طرح ان کا راستہ روکنا اور ان کے قلعوں کو ڈھانا، اور المحرر الوجیز اور الفروع نامی کتابوں میں ہے کہ اُنکی بستیوں کو منہدم کرنا اور یہ زیادہ جامع (لفظ) ہے۔کیونکہ مقصد ان کو کمزور کرنا اور انہیں دہشت زدہ کرنا ہے تاکہ وہ اللہ کے داعی پر لبیک کہیں''۔

(المبدع، ۳/۳۱۹)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں کہا:

''وَيَجُوزُ نَصْبُ الْمَنْجَنِيقِ عَلَيْهِمْ . وَظَاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ جَوَازُهُ مَعَ الْحَاجَةِ وَعَدَمِهَا ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ. وَمِمَّنْ رَأَى ذَلِكَ الثَّوْرِيُّ، وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَصْحَابُ الرَّأْيِ. قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: جَاءَ الْحَدِيثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ . وَعَنْ

عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجنِيقَ عَلَى أَهْلِ الْإِسْكَنْدَرِيَّة. وَلِأَنَّ الْقِتَالَ بِهِ مُعْتَادٌ، فَأَشْبَهَ الرَّمْيَ بِالسِّهَامِ ''

''ان (دشمنوں) پر منجنیق نصب کرنا جائز ہے۔امام احمد بن حنبل a کے کلام سے اس کی ضرورت اور غیر ضرورت دونوں صورتوں میں جواز ظاہر ہوتا ہے۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی تھی اور یہی رائے الاوزاعی اور الشافعی اور اہل رائے کی ہے۔ابن المنذر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی۔عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسکندریہ والوں پر منجنیق نصب کی اور چونکہ اس کیساتھ لڑائی عام تھی، سو اُسے تیروں سے مشابہ سمجھا گیا''۔

(المغنی، ج ۲۱، ص ۱۰۱)

امام ابن رشد المالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''واتفق عوام الفقهاء على جواز رمی الحصون بالمجانيق سواء كان فيها نساء وذرية أولم يكن لما جاء أن النبي عليه الصلاة والسلام نصب المنجنيق على أهل الطائف''

''اور فقہاء منجنیق کے استعمال کی اجازت پر متفق ہیں۔تاکہ کفار کے قلعوں پر حملہ کیا جاسکے اگرچہ اس میں ان کی عورتیں اور بچے ہوں یا نہ ہوں۔اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے لوگوں پر منجنیق سے حملہ کیا''۔

(هداة المجتهد، ج ۱، ص ۳۰۱)

ابنِ قاسم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس کی اجازت ہے کہ کفار پر منجنیق سے حملہ کیا جائے چاہے عورتیں، بچے، بوڑھے اور راہب غیر ارادی طور پر مارے جائیں یہ اس لئے کہ ان کو دہشت میں ڈالنے کی اجازت پر اجماع ہے۔ ابنِ رشد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر طرح کے کفار پر دہشت ڈالنے کی اجازت اجماع سے ہے''۔

(حاشیہ الروض، ج۴، ص۲۷۰)

سو فقہاء کرام درج بالا کلام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض فقہاء کرام نے منجنیق کے ذریعے کافروں کے عورتوں اور بچوں جیسے معصوموں کے قتل کی اس صورت میں اجازت دی ہے کہ جب اُن پر منجنیق کے ذریعے سنگ باری کی ضرورت ہو۔ چنانچہ یہ ایسا آلہ تھا کہ جو سابقہ وقتوں میں بڑے بڑے پتھر پھینکنے کے لئے استعمال ہوتا تھا اور بعض اوقات یہ پتھر آگ کے شعلے پکڑے ہوئے ہوتے۔ رہا یہ کہ گھروں کو جلانا اور منہدم کرنا اور ان میں موجود افراد کو قتل کرنا، تو فقہاء کی طرف سے اس اسلوب کی اجازت صرف اس مصلحت کی بنیاد پر تھی کہ اس سے یہ قلعہ فتح ہونے کی امید ہو، خواہ اس کے نتیجے میں عورتیں اور بچے ہی قتل ہوں۔ لہٰذا جو مصلحت ایک قلعے کی فتح کیلئے موجود تھی یعنی منجنیق کے ذریعے ان کی رہائش گاہوں پر سنگ باری کرنا، تو کیا یہی مصلحت مسلمانوں پر حملہ آور کفار کے ممالک کے اقتصادی، عسکری اور سیاسی طاقت کے مراکز کے تباہ کرنے میں نہ ہو گی۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے حصار اور ان کے قتل سے باز آجائیں، خواہ اس کا شکار عورتیں اور بچے ہی بنے؟ کیوں نہیں! مسلمانوں کے دین و دنیا کی محافظت ہی یہ تو سب سے بڑی مصلحت ہے اور اگر اس جیسی مصلحت صرف اسی طریقے سے حاصل ہو سکتی تو پھر اس کے جواز کیا شک و شبہ رہ جاتا ہے۔

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''چنانچہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے خلاف منجنیق اور ایسے ہی دیگر ذرائع کا استعمال جائز ہے، اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ منجنیق سے برسائے جانے والے پتھر عورتوں، بچوں اور بالغ مردوں کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کرڈالتا ہے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مجاہدین کے اہل حل وعقد کے نزدیک کفار کے علاقوں کو تباہ کرنا اور کفار کو قتل کرنا ''تقاضائے جہاد'' ہو تو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ادوار میں)مسلمان، کفار کی آبادیوں پر منجنیق کے گولے برساتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ علاقہ فتح ہو جاتا۔ مسلمانوں کو کبھی کفار کی جڑ کٹنے اور ان کے علاقے تباہ ہونے کے خدشے نے ایسا کرنے سے نہ روکا۔ واللہ اعلم بالصواب''۔

(''حکم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الکفار'' باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ منجنیق کو ہر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وقیس به ما فی معناه مما یعم الاهلاك به''

''اور منجنیق ہی پر قیاس کئے جائیں گے اسی جیسے دیگر ذرائع جو کہ ''عام ہلاکت'' پھیلانے کا سبب بنتے ہیں''۔

(أسنی المطالب، ج۴، ص۱۹۱)

امام ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ بھی قابل غور ہے:

''وقتلهم بما يعم''

''کفار کو ایسے طریقے سے قتل کرنا (جائز ہے) جو عام ہلاکت پھیلانے کا باعث بنے''۔

(''حكم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الكفار'' باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

پانچویں صورت

جب کفار اپنی عورتوں اور بچوں کو ہی ڈھال بنالیں

اس حالت میں بھی معصوم لوگوں کا قتل جائز ہوتا ہے کہ جب کفار انہیں اپنے لئے ڈھال کے کے طور پر استعمال کریں۔ یعنی اگر کفار اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے لئے ڈھال بنائیں تو اُن پر سنگ باری (فائرنگ، گولہ باری وغیرہ) کرنا جائز ہے۔ جنگجوؤں کو نشانہ بناتے ہوئے خواہ عورتیں اور بچے ہلاک ہو جائیں تو بھی جائز ہے۔ مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ اس کی ضرورت ہو، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کا دلی ارادہ جنگجو ہو کو نشانہ بنانے کا ہو، نہ کہ معصوم لوگ۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں فرمایا:

''فَصْلٌ: وَإِنْ تَتَرَّسُوا فِي الْحَرْبِ بِنِسَائِهِمْ وَصِبْيَانِهِمْ، جَازَ رَمْيُهُمْ، وَيَقْصِدُ الْمُقَاتِلَةَ؛(لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ وَمَعَهُمْ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ)، وَلِأَنَّ كَفَّ الْمُسْلِمِينَ عَنْهُمْ يُفْضِي الَى تَعْطِيلِ الْجِهَادِ ،لِأَنَّهُمْ مَتَى عَلِمُوا ذَلِكَ تَتَرَّسُوا بِهِمْ عِنْدَ خَوْفِهِمْ فَيَنْقَطِعُ الْجِهَادُ.وَسَوَاءٌ كَانَتْ الْحَرْبُ

مُلْتَحِمَةً أَوْ غَيْرَ مُلْتَحِمَة ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتَحَيَّنُ بِالرَّمْيِ حَالَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ ."

"فصل: اگر وہ (دشمن) جنگ میں اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو ڈھال بنائیں تو جنگجوؤں کے ارادے سے اُن پر سنگ باری وغیرہ کرنا جائز ہے۔ اسی لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر منجنیق کے ذریعے (سنگ باری) کی حالانکہ انکے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اس لئے بھی کہ اس صورت میں مسلمانوں کا ان سے رک جانے سے جہاد معطل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ جب بھی یہ جانیں گے تو خوف کے وقت ان (عورتوں، بچوں) کو ڈھال بنالیا کریں گے۔ تو یوں جہاد ختم ہو جائے گا خواہ جنگ بھڑکی ہوئی ہو یا نہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (منجنیق سے) سنگ باری کرنے کے لئے جنگ بھڑکنے کا انتظار نہیں کرتے تھے"۔

(المغنی، ج۲۱، ص۱۰۳، رقم: ۷۵۷۷)

امام الانصاری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وحرم اتلاف لحيوان محترم لحرمته وللنهى عن ذبح الحيوان لغير مأكله، الا لحاجة كخيل يقاتلون عليها فيجوز اتلافها لدفعهم أو للظفر بهم، كما يجوز قتل الذراری عندالتترس بهم بل أولى"

"کسی حرمت والے جانور کو اسکی حرمت کی وجہ سے ہلاک کرنا حرام ہے اور کسی جانور کو کھانے کی نیت کے بغیر نہی (منع ہونے) کی وجہ سے ذبح کرنا حرام ہے، ماسوائے ضرورت کے جیسے ایسے گھوڑے کہ جن پر وہ (دشمن) لڑتے ہیں۔ تو اُن پر کامیابی اور انہیں پیچھے

دھکیلنے کے لئے ان (گھوڑوں) کا ہلاک کرنا جائز ہے جیسا کہ بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر انہیں قتل کر جائز ہے بلکہ زیادہ مناسب ہے"۔

(فتح الوھاب، ج۲، ص۳۰۱)

امام الشربینی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن جانوروں کے قتل کے جواز کا سبب ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''مَا يُقَاتِلُونَا عَلَيْهِ أَوْ خِفْنَا أَنْ يَرْكَبُوهُ لِلْغَدْرِ كَالْخَيْلِ فَيَجُوزُ اتْلَافُهُ (لِدَفْعِهِمْ أَوْ ظَفَرٍ بِهِمْ)؛ لِأَنَّهَا كَالْآلَةِ لِلْقِتَالِ، وَإِذَا جَازَ قَتْلُ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ عِنْدَ التَّتَرُّسِ بِهِمْ فَالْخَيْلُ أَوْلَى، وَقَدْ وَرَدَ ذَلِكَ فِي السِّيَرِ مِنْ فِعْلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ''

"جن پر وہ سوار ہو کر ہم سے لڑتے ہیں یا ہمیں ڈر ہو کہ کل وہ ان پر سوار ہوں گے جیسے گھوڑے ہیں تو اُن کے خلاف کامیابی حاصل کرنے اور ان سے دفاع کیلئے انہیں (گھوڑوں) کو ہلاک کرنا جائز ہے کیونکہ یہ لڑائی کی مانند ہیں اور جب عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر قتل کرنا جائز ہے تو گھوڑوں کا ہلاک کرنا تو زیادہ مناسب ہے اور یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل میں سے ہے"۔

(مغنی المحتاج، ج۱۷ص۳۲۰)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ڈھال بنائے جانے کی صورت میں فرماتے ہیں:

''وَقَدْ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ جَيْشَ الْكُفَّارِ اذَا تَتَرَّسُوا بِمَنْ عِنْدَهُمْ مِنْ أَسْرَى الْمُسْلِمِينَ وَخِيفَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الضَّرَرَ اذَا لَمْ يُقَاتِلُوا فَإِنَّهُمْ يُقَاتَلُونَ؛ وَإِنْ أَفْضَى ذَلِكَ الَى قَتْلِ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ تَتَرَّسُوا بِهِمْ''

''اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے لشکر اگر اپنے پاس مسلمان قیدیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں اور اس صورت میں اگر ان کفار سے لڑا جائے گا خواہ اس کے نتیجے میں وہ مسلمان قتل ہو جائیں کہ جنہیں کفار نے ڈھال بنایا تھا''۔

(مجموع الفتاویٰ، ج۲، ص۴۲۷۔ مسئلہ اجناد یمتعون عن قتال)

ابن قاسم نے حاشیہ الروض میں بتایا کہ الانصاف کے مؤلف نے فرمایا:

''وان تترسوا بمسلم لم يجز رميهم الا أن نخاف على المسلمين فيرميهم ويقصدالكفار، وهذا بلانزاع''۔

''اگر وہ دشمن کسی مسلمان کو ڈھال بنائیں تو اس صورت میں اُن (دشمنوں) پر سنگ باری وغیرہ جائز نہیں۔ البتہ اگر ہمیں دیگر مسلمانوں کو (نقصان کا) ڈر ہو تو پھر کفار کا قصد کر کے اُن پر سنگ باری وغیرہ کی جائے گی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں''۔

(حاشیہ الروض۴/۲۷۱)

ایک اہم تنبیہ:

یہاں پر ایک اہم مسئلہ کی تنبیہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہاں شرعی حکم میں ڈھال بنائے جانیوالے مسلمانوں یا کفار کے معصوم لوگوں جیسے عورتوں اور بچوں میں فرق ہے۔ لہٰذا اگر ڈھال

مسلمانوں کی بنائی گئی ہے تو اس صورت میں دشمن پر گولہ باری۔ فائرنگ وغیرہ صرف ایسی ضرورت کے وقت کی جائے گی کہ جب ان کفار پر فائرنگ نہ کرنے کا نقصان، ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کے قتل کے نقصان سے زیادہ بڑا نہ ہو۔ جیسے دشمن کی جانب سے مسلمانوں کی زمین کی طرف پیش قدمی اور پھر ڈھال بنائے گئے مسلمانوں سے زیادہ دوسرے مسلمانوں کے قتل کا خدشہ ہو، یا مسلمانوں کے لشکر میں سے کئی کے قتل ہونے اور ان کی طاقت ٹوٹنے اور یوں مسلمانوں کے معاملے کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہو جبکہ اصلاً صورتحال کے پیش نظر ضرورت کا اندازہ لگایا جائے گا۔

رہا مسئلہ اس حالت کہ جس میں کفار کے بچوں اور عورتوں کو ڈھال بنایا گیا ہو تو معاملہ درج بالا حالت سے ہلکا ہے، کیونکہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی عصمت، مسلمان کے خون کی عصمت سے کم تر ہے۔ لہٰذا پہلی صورت (یعنی مسلمانوں کا نشانہ بن جانا) شدید ترین ضرورت کے وقت مباح ہو گی جبکہ دوسری صورت (کفار کی عورتوں اور بچوں کا نشانہ بن جانا) ادنیٰ ضرورت کے تحت بھی مباح ہو جائے گی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الصعب بن جثامہ کی حدیث میں مشرکوں کی ذریت کے قتل کی اجازت دی تو فرمایا کہ

((هم منهم))

"وہ انہی میں سے ہیں"۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کی تفصیل نہیں پوچھی کہ جس نے انہیں اس پر مجبور کیا اور نہ اس کیلئے کوئی ضابطہ بنایا۔ اس علم کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رات کے وقت کے حملوں اور اچانک حملوں کی ہمیشہ ضرورت نہیں ہوتی تھی جیسا کہ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ بَعْدَ مَا يُصْبِحُ))

”رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر حملہ کرتے تو صرف صبح ہونے پر ہی حملہ کرتے تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سنتے تو حملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صرف صبح طلوع ہونے کے بعد حملہ کرتے“۔

(صحیح البخاری، ج۱۰، ص۹۵، رقم الحدیث: ۲۷۲۵)

بخاری کی ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا))

”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے“۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رات کے وقت حملے اور اچانک حملے کی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے بعد ہی حملہ کرتے اور انس رضی اللہ عنہ کا قول کہ ” جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے“۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات کا فعل تھا۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تفصیل نہ پوچھنا قول کو ”عمومیت“ دیتا ہے۔

لہٰذا کفار کے معصومین کی ڈھال کو ہر عام ضرورت کی قید کے علاوہ اور کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی جبکہ مسلمانوں کی بنائی گئی ڈھال کو شدید ترین ضرورت ہی کے تحت قتل کیا جاسکتا ہے۔ کفار کی بنائی گئی ڈھال کے قتل کے لئے انتہائی ضرورت کا ہونا لازمی نہیں بلکہ اُس کیلئے عام ضرورت کا ہونا کافی ہے۔

چھٹی صورت

کفار کی طرف سے عہد شکنی کی صورت میں

کفار کے معصوم الدّم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا جن حالتوں میں قتل جائز ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاہدہ کرنے والا دشمن اپنے عہد کو توڑ ڈالے۔ مسلمانوں کا امیر اگر چاہے تو سب کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو جسے چاہے اُسے چھوڑ دے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مردوں اور بوڑھوں اور ہر مزدور کو قتل کیا جبکہ غلامی میں سوائے عورتوں اور بچوں کے کسی کو نہیں رکھا۔ ان کے علاوہ دوسرے معصوم لوگوں جیسے بوڑھوں اور مزدوروں کو قتل کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عہد شکنی کرنے اور نہ کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

امام ابن حزم حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث:

((عرضت یوم قریظة علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان من أنبت قتل))

"جس روز قریظہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو جو بالغ تھا اسے قتل کر دیا گیا"۔

کی تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' فهذا عموم من النبی صلی اللہ علیه وآله لم یستبق منهم عسیفا، ولا تاجرا، ولافلاحا، ولا شیخا کبیرا، وهذا اجماع صحیح ''۔

"یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا" عمومی فعل" تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے نہ کسی مزدور کو چھوڑا، نہ تاجر کو، نہ کسان کو اور نہ کسی بوڑھے شیخ کو۔ اس کام کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے پر اجماع ہے"۔

(المحلی لابن حزم ،ج۷، ص۲۹۹)

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں فرمایا:

''وَكَانَ هَدْيُهُ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَنّهُ اذَا صَالَحَ قَوْمًا فَنَقَضَ بَعْضُهُمْ عَهْدَهُ وَصُلْحَهُ وَأَقَرّهُمْ الْبَاقُونَ وَرَضُوا بِهِ غَزَا الْجَمِيعَ وَجَعَلَهُمْ كُلّهُمْ نَاقِضِينَ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ، وَالنّضِيرِ وَبَنِي قَيْنُقَاعَ وَكَمَا فَعَلَ فِي أَهْلِ مَكّةَ، فَهَذِهِ سُنّتُهُ فِي أَهْلِ الْعَهْد وَعَلَى هَذَا يَنْبَغِي''

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم سے معاہدہ یا صلح کرتے۔ پھر اُن کے سب لوگ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے یا اُن میں سے کچھ لوگ اسے توڑتے جبکہ باقی اُسے تسلیم کرتے اور اُن (خلاف ورزی کرنے والوں) سے راضی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر حملہ کرتے اور اُن سب کو معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے قرار دیتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ اور بنی نضیر اور بنی قینقاع کے ساتھ کیا۔ اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ کیا۔ تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد توڑنے اور اُسکی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں سنت تھی''۔

(زاد المعاد، ج۳، ص۱۲۳)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَ أَنّ هَدْيَهُ وَ سُنّتَهُ إذَا صَالَحَ قَوْمًا وَ عَاهَدَهُمْ فَانضَافَ اِلَيْهِم عَدُوٌّ سِوَاهُمْ، فَدَخَلُوْا مَعَهُمْ فِيْ عَقْدِهِمْ، وَ انْضَافَ اِلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُوْنَ فَدَخَلُوْا اِلَيْهِ فِيْ عَقْدِهٖ۔ صَارَ حُكْمُ مَنْ حَارَبَ مَنْ دَخَلَ مَعَهُ فِيْ عَقْدِهٖ مِنَ الْكُفَّارِ حُكْمُ مِنْ حَارَبَهُ۔''

''نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کسی قوم سے معاہدہ و صلح کرتے پھر جن کے ساتھ آپ کا معاہدہ طے پاتا ان کے ساتھ کوئی اور دشمن قبیلہ جاملتا اور ان کے معاہدے میں شامل ہو جاتا تو وہ اس کیے ہوئے معاہدہ میں شامل سمجھا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی قبیلہ نبی ﷺ سے حالتِ کفر پر ہوتے ہوئے بھی آملتا۔ تو وہ آپ کے ساتھ معاہدہ میں شامل سمجھا جاتا۔ آپ کے ساتھ معاہدے میں شامل ہونے والے کسی کافر کے ساتھ کوئی قبیلہ بدعہدی کرتے ہوئے جنگ کرتا تو نبی ﷺ ان بدعہدی کرنے والوں کو بھی اپنا مدمقابل دشمن سمجھتے اور ان کے ساتھ جنگ کرتے''۔

(زادالمعاد، ج۲، ص۱۲۴)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ سے اس بات کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''وَ قَدْ أَفْتَيْنَا وَلِيَّ الْأَمْرِ لَمَّا أَحْرَقَتِ النَّصَارٰى أَمْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ بِالشَّامِ وَ دُوْرَهُمْ وَ رَامُوْا اِحْرَاق جَامِعِهِمُ الْأَعْظَمَ حَتّٰى أَحْرَقُوا مَنَارَتَهُ وَ كَادَ﴿لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ﴾أَنْ يُّحْتَرَق كُلُّهُ وَ عَلِمَ بِذٰلِكَ مَنْ عَلِمَ مِنَ النَّصَارٰى وَ وَطَئُوا عَلَيْهِ وَ أَقَرُّوهُ وَ رَضُوْا بِهِ وَ أَمَرَ مَنْ حَضَرَهُ مِنَ الْفُقُهَاءِ، فَأَفْتَيْنَاهُ بِانْتِقَاضِ عَهْدِ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ وَ أَعَانَ عَلَيْهِ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ أَوْ رَضِيَ بِهٖ وَ أَقَرَّ عَلَيْهِ، وَ أَنَّ حَدَّ الْقَتْلِ حَتْمًا لَاْ تَخْيِيْرَ لِلْإِمَامِ فِيْهِ كَالْأَسِيْرِ، بَلْ صَارَ الْقَتْلُ لَهُ حَدًّا''

''وقت کے حکمرانوں کو ہم نے تو یہی فتویٰ دیا تھا۔ جب عیسائیوں نے شام کے اندر مسلمانوں کی جائیداد، املاک، دیہاتوں، شہروں اور گھروں کو نذر آتش کر دیا۔ انہوں نے شام کی سب سے بڑی جامع مسجد کو بھی خاکستر کرنے کی مکمل تیاری کر لی تھی۔ یہاں تک کہ اس جامع مسجد کا ایک مینار انہوں نے جلا بھی دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص فضل نہ ہوتا تو وہ ساری مسجد کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتے۔ ملک شام کے اندر ہونے والی اس

کاروائی کا جب وہاں موجود دیگر عیسائیوں کو پتہ چلا۔ انہوں نے اس کی موافقت اور تائید ہی ظاہر کی۔ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن اس بات کی انہوں نے وقت کے حکمرانوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ (معاملہ کھل جانے پر) اس وقت کے حکمران نے اس وقت کے فقہاء سے فتوی طلب کیا۔ ہم اس کو یہ فتوی دیا کہ جس جس عیسائی نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدہ توڑا ہے۔ حملہ آوروں کا کسی طرح تعاون کیا ہے، اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے یا اپنے لبوں پر مہر خاموشی لگاتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ ان سب معاہدہ توڑنے والوں کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہے"۔

(زادالمعاد، ج۳ص۱۲۳)

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''وَبِهَذَا أَفْتَى شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ تَيْمِيّةَ بِغَزْوِ نَصَارَى الْمَشْرِقِ لَمّا أَعَانُوا عَدُوّ الْمُسْلِمِينَ عَلَى قِتَالِهِمْ فَأَمَدّوهُمْ بِالْمَالِ وَالسّلَاحِ وَإِنْ كَانُوا لَمْ يَغْزُونَا وَلَمْ يُحَارِبُونَا، وَرَآهُمْ بِذَلِكَ نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ كَمَا نَقَضَتْ قُرَيْشٌ عَهْدَ النّبِيّ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ بِإِعَانَتِهِمْ بَنِي بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ عَلَى حَرْبِ حُلَفَائِهِ''

"ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مشرق کے اُن نصاری پر حملے کا فتوی دیا تھا کہ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں اُن کے دشمن کی مال واسلحے سے مدد کی تھی، اگرچہ انہوں (مشرق کے نصاریٰ) نے نہ تو ہم پر حملہ کیا تھا اور نہ ہمارے خلاف جنگ کی۔ لیکن آپ (ابن تیمیہ) نے اُنہیں معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے شمار کیا۔ جیسا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، بنی بکر بن وائل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں کے خلاف جنگ میں مدد کرکے معاہدہ توڑا تھا"۔

(زاد المعاد، ج۳، ص۱۲۴)

امام المبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ بنو قریظہ کے حوالے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر ایک باب یوں باندھتے ہیں ''بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّزُولِ عَلَى الْحُكْمِ'' أَيْ نُزُولُ الْعَدُوِّ عَلَى حُكْمِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ''......... پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَفِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ يَجُوزُ نُزُولُ الْعَدُوِّ عَلَى حُكْمِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَيَلْزَمُهُمْ مَا حَكَمَ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ قَتْلٍ أَوْ أَسْرٍ وَاسْتِرْقَاقٍ''

''اور اس واقعے سے ثبوت ملتا ہے کہ اس کی اجازت ہے کہ دشمن مسلمانوں میں سے کوئی آدمی چنے جو کہ ان کے بارے میں حتمی فیصلہ سنائے، چاہے وہ فیصلہ موت ہو یا غلامی''۔

(تحفۃ الاحوذی، ج۴، ص۲۳۴، رقم: ۱۴۹۴)

امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علمائے تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئی اور اس کا اطلاق تا قیامت اس (بنی قریظہ والی) صفت کے حامل پر ہوتا رہے گا''۔

(اقتباس از قریظہ تا امریکہ از لشیخ ابو یحییٰ اللیبیؒ)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''وَذَلِكَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَلَ بِمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ كُلُّهَا فِي جَمِيعِ أَحْكَامِه: فَقَتَلَ بَعْضَ الْكُفَّارِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَفَدَى بَعْضًا، وَمَنَّ عَلَى بَعْضٍ۔ وَكَذَا قَتَلَ بَنِي قُرَيْظَة، وَمَنَّ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ، وَقَتَلَ ابْنَ خَطَلٍ وَغَيْرَه بِمَكَّة وَمَنَّ عَلَى سَائِرِهِمْ۔ وَسَبَى

هَوَازِن وَمَنَّ عَلَيْهِمْ. وَمَنَّ عَلَى ثُمَامَة بْن أَثَال۔ فَدَلَّ كُلّ ذَلِكَ عَلَى تَرْجِيح قَوْل الْجُمْهُور انَّ ذَلِكَ رَاجِع إِلَى رَأْي الْإِمَام ''

''اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کچھ کفار کو قتل کیا، کچھ سے فدیہ لیا، کچھ کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے ہر مرد کو قتل کیا اور بنی مصطلق کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح آپ نے ابنِ خطل اور دوسروں کو مکہ میں قتل کیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا، اور ہوازن کو غلام بنایا اور ثمامہ کو چھوڑ دیا۔ تو ان سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہور علماء کا قول صحیح ہے جب انہوں نے کہا کہ فیصلہ امام کے اوپر ہوتا ہے'' ۔

(فتح الباری، ج۹، ص۲۳۲)

یہ وہ حالتیں ہیں کہ جن میں فقہاء نے کفار کے معصوم لوگوں جیسے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور انکے حکم میں آنے والے دوسرے افراد کہ جنہیں آج عرف عام میں شہری کہا جاتا ہے، کے قتل کی اجازت دی ہے۔

ساتویں صورت

جب ''معاملہ بالمثل'' (بدلے کی سزا دینا) مقصود ہو

وہ حالتیں (جن کا اوپر ذکر گزر چکا) کہ جن میں کفار کے بے گناہ لوگوں کو جان بوجھ کر قتل کرنا جائز ہوتا ہے، اگر ان میں سے کوئی وجہ بھی نہ پائی جاتی ہو پھر بھی مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ کفار کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جیسا انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ لہٰذا اگر کفار مسلمانوں کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اس حالت میں جائز

ہے کہ کفار کے ساتھ بھی یہی کام کیا جائے۔ مفسرین کے نزدیک متفقہ طور پر قرآن کریم میں تین مقامات اس بات کی دلیل ہیں:

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾

”جو تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی ہو“۔

(البقرۃ:۱۴۹)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَالَّذِينَ اِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ○ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهُ لا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الأُمُورِ ○﴾

”اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اور جو شخص ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے المناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے“۔

(الشوری)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ○وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ الا بِاللَّهِ وَلا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ○إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ○﴾

''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے۔ آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ (ہی کی توفیق) سے ہے اور ان لوگوں کے متعلق غمناک نہ ہوں اور نہ ہی ان کی چال بازیوں پر تنگی محسوس کریں۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں جو اچھے کام کرتے ہیں''۔

(النحل)

یہ آیتیں ہر چیز کے لیے عام ہیں اور ان کے نزول کے اسباب انہیں (کسی خاص کے لیے) مخصوص نہیں کرتے۔ شرعی قاعدہ کہتا ہے کہ:

''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب''

''(کسی بھی آیت یا حدیث کے) سبب نزول سے نہیں بلکہ عمومی الفاظ سے عبرت لی جاتی ہے''

چنانچہ آیت

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾

" اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی"۔

(النحل: ۱۲۶)

یہ آیت مثلہ کرنے (یعنی لاش کا ناک، کان، اعضاوغیرہ کاٹنا) کے بارے میں نازل ہوئی۔ الترمذی نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ أُصِيبَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَرْبَعَةٌ وَسِتُّونَ رَجُلًا وَمِنَ الْمُهَاجِرِينَ سِتَّةٌ فِيهِمْ حَمْزَةُ فَمَثَّلُوا بِهِمْ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ لَئِنْ أَصَبْنَا مِنْهُمْ يَوْمًا مِثْلَ هَذَا لَنُرْبِيَنَّ عَلَيْهِمْ قَالَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ فَقَالَ رَجُلٌ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفُّوا عَنِ الْقَوْمِ إِلَّا أَرْبَعَةً))

" اُحد کے دن انصار کے چونسٹھ آدمی کام آئے اور مہاجرین کے چھ، جن میں حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، تو کفار نے مسلمان شہداء کا مثلہ کیا۔ تو انصار نے کہا کہ اگر کسی دن ہم نے اُن (کفار) کے لوگوں کو اسی طرح نشانہ بنایا تو ہم اُن کا اس سے زیادہ مثلہ کریں گے۔ تو جب فتح مکہ کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے"۔ (النحل: ۱۲۶) تو ایک آدمی نے کہا کہ آج کے بعد قریش کا نام ونشان نہ رہے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ماسوائے چار افراد کے قوم (کے قتل) سے باز رہو"۔

(سنن ترمذی، ج۱۰، ص۴۰۲، رقم الحدیث: ۳۰۵۴)

ابن ہشام نے سیرت میں روایت نقل کی ہے کہ

" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا یعنی اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے مُثلے کا۔ تو فرمایا: "اگر صفیہ کے غم اور میرے بعد یہ کام سنت بن جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُسے (اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ) کو اسی طرح چھوڑ دیتا تاکہ وہ وحشی جانوروں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں میں ہوتے اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کبھی کسی موقع پر قریش پر غلبہ عطا کیا تو میں اُن کے تیس آدمیوں کا مُثلہ ضرور کروں گا"۔ تو جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم اور آپ کے اپنے چچا کے ساتھ یہ کام کرنے والے پر غصے کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کسی دن اُن (کفار قریش) پر غلبہ عطا کیا تو ہم ان (کی لاشوں) کا ایسا مثلہ کریں گے کہ جیسا کسی عربی نے نہ کیا ہو گا"۔

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے ایسے شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جسے میں جھوٹا نہیں کہتا:

" بلاشبہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس قول پر یہ آیت نازل کی۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلا بِاللَّهِ وَلا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ○﴾ (النحل: ۱۲۷،۱۲۶) "اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے۔ آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ (ہی کی توفیق) سے ہے اور ان لوگوں کے متعلق غمناک نہ ہوں اور نہ ان کی چال بازیوں پر تنگی محسوس کریں"۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کفار کو) معاف کر دیا اور مثلہ کرنے سے منع کر دیا"۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ:

((لما كان يوم أحد وانصرف المشركون، فرأى المسلمون باخوانهم مثلة سيئة جعلوا يقطعون آذانهم وآنافهم ويشقون بطونهم ، فقال أصحاب رسول الله ﷺ: لئن أنالنا الله منهم لنفعلن فأنزل الله﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴾فقال رسول الله ﷺ، بل نصبر))

”جب اُحد کا دن تھا اور مشرک واپس چلے گئے اور مسلمانوں نے دیکھا کہ (کفار) نے ان کے (شہید ہونے والے) بھائیوں کی (لاشوں کی) بڑی بے حرمتی اس طرح کی کہ اُن کے کان، ناک کاٹے اور پیٹ چاک کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا کہ اگر اللہ نے ہمیں اُن (کفار) پر غلبہ عطا کیا تو ہم بھی ضرور ایسا کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ”اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے“۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”بلکہ ہم صبر کریں گے“۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج۸، ص۴۴۵)

لہٰذا مُثلہ سے منع کیا گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے حرام ہے۔ جیسا کہ بخاری میں عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ))

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ کھسوٹ اور مُثلہ سے منع کیا“۔

(صحیح البخاری، ج۱۷، ص۱۹۲، رقم الحدیث: ۵۰۹۲)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''المثلة: تشويه خلقة القتيل، كجدع أطرافه، وجب مذاكره ونحو ذلك''۔

'' المثلۃ۔ مقتول کی شکل وصورت کو بگاڑنا ہے۔ جیسے اس کے اعضاء کا کاٹنا اور اس کے عضو تناسل کا کاٹنا وغیرہ''۔

(الفتح۱۲۰/۵)

اور صحیح مسلم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکروں اور دستوں کے کمانڈروں کو یہ کہہ کر نصرت کرتے کہ:

((اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا))

''اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کے ساتھ حملہ کرو۔ ان لوگوں سے لڑو کہ جو اللہ کا انکار کرتے ہیں حملہ کرو اور غلو نہ کرو، اور نہ غداری کرو، اور نہ مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو''۔

(صحیح مسلم، ج۹، ص۱۵۰، رقم الحدیث:۲۱)

لیکن مفسرین کے نزدیک اگر دشمن مسلمانوں کے مقتولوں کا مثلہ کریں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے مقتولوں کا مثلہ کریں اور اس صورت میں اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ مُثلہ نہ کرنا اور صبر کرنا مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ

پر مُثلہ نہ کرنا اور صبر کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

''آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ (ہی کی توفیق) سے ہے''۔

(النحل:۱۲۶)

جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ﴾

''اور اگر برداشت کر جاؤ''۔

قصاص بالمثل ہی ہوتا ہے:

معاملہ بالمثل کے حوالے سے آیات صرف قصاص کے بارے میں ہی'' مثل بالمثل'' کے قاعدے کو منحصر نہیں کرتیں بلکہ یہ مسلمان یا ذمّی یا با معاہدہ شخص یا جنگجو سب کے لیے عام ہیں، مگر کچھ ضابطوں اور اصولوں کے ساتھ کہ جو دوسری دلیلوں سے لیے گئے ہیں۔

امام القرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''قوله تعالى ﴿فَمَنِ اعۡتَدَى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدَى عَلَيۡكُمۡ﴾ وقوله تعالى ﴿وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوا بِمِثۡلِ مَا عُوقِبۡتُمۡ بِهِ﴾ قالوا وهذا عموم فى جميع الأشياء كلها وعضدوا هذا بأن النبى ﷺ ((حبس القصعة المكسورة فى بيت

التی کسرتھا ودفع الصحیحة وقال اناء باناء وطعام بطعام))(أخرجه أبو داود) ثم قال لا خلاف بین العلماء أن هذه الآیة أصل فی المماثلة فی القصاص فمن قتل بشیئ قتل بمثل ما قتل به وهو قول الجمهور بذلك لعموم الآیة ''

''اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾'' اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی''۔اور اس فرمان کہ:﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾(البقرة:۱۹۴)''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔(علماء نے) کہا کہ یہ تمام چیزوں کے لیے عام ہیں اور انہوں نے اسے اس دلیل کے ساتھ تقویت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پیالے کو گھر میں رکھ لیا کہ جو (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے توڑا تھا اور اس کے بدلے میں صحیح سالم بھیجا اور فرمایا کہ'' برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا''۔اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔(پھر کہا کہ) علماء کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت قصاص میں'' مِثل بالمثل ''کی بنیاد ہے۔ لہٰذا جو کوئی جس چیز کے ساتھ قتل کرے گا اُسے اسی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے گا اور یہ جمہور کا قول ہے. آیت کی ''عمومیت'' سے استدلال کرتے ہوئے''۔

(تفسیر القرطبی:۳۵۷/۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود سے کیے گئے ایک سوال کے جواب میں اس آیت کی'' عمومیت'' کے تقاضے کے مطابق فتوی دیا۔ لہٰذا آپ نے فرمایا:

''وَسُئِلَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ عَنْ رَجُلٍ أُخِذَ مَالُهُ ظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَانْتُهِكَ عِرْضُهُ أَوْ نِيلَ مِنْهُ فِي بَدَنِهِ فَلَمْ يَقْتَصَّ فِي الدُّنْيَا وَعَلِمَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى.فَهَلْ يَكُونُ عَفْوُهُ عَنْ ظَالِمِهِ مُسْقِطًا عِنْدَ اللَّهِ؟ أَمْ نَقْصًا لَهُ؟ أَمْ لَا يَكُونُ؟أَوْ

يَكُونُ أَجْرُهُ بَاقِيًا كَامِلًا مُوَفَّرًا ؟ وَأَيُّمَا أَوْلَى مُطَالَبَةُ هَذَا الظَّالِمِ وَالِانْتِقَامُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَعْذِيبُ اللَّهِ لَهُ. أَوِ الْعَفْوُ عَنْهُ وَقَبُولُ الْحَوَالَةِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى؟ الْجَوَابُ فَأَجَابَ: لَا يَكُونُ الْعَفْوُ عَنِ الظَّالِمِ وَلَا قَلِيلُهُ مُسْقِطًا لِأَجْرِ الْمَظْلُومِ عِنْدَ اللَّهِ وَلَا مُنْقِصًا لَهُ؛ بَلِ الْعَفْوُ عَنِ الظَّالِمِ يُصَيِّرُ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى ؛ فَإِنَّهُ اذَا لَمْ يَعْفُ كَانَ حَقُّهُ عَلَى الظَّالِمِ فَلَهُ أَنْ يَقْتَصَّ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِذَا عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ . وَأَجْرُهُ الَّذِي هُوَ عَلَى اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى. قَالَ تَعَالَى: وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾۔ فَقَدْ أَخْبَرَ أَنَّ جَزَاءَ السَّيِّئَةِ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا بِلَا عُدْوَانٍ وَهَذَا هُوَ الْقِصَاصُ فِي الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ وَالْأَعْرَاضِ وَنَحْوِ ذَلِكَ۔ ثُمَّ قَالَ: ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ﴾''

''اُس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس کا مال ناحق ظلم کرتے ہوئے چھینا گیا اور اس کی عزت کی پامالی کی گئی یا اس کے جسم کو کوئی نقصان پہنچایا گیا تو اُس نے یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے دنیا میں بدلہ نہ لیا۔ تو کیا اس کا اپنے ظالم کو معاف کرنے سے اللہ کے ہاں اس کے اجر کو ختم یا کم کر دے گا یا نہیں کرے گا، یا پھر اس کا مکمل اور پورا اجر رہے گا۔ اور کیا چیز اس کے لیے بہتر ہو گی اس ظالم سے قیامت کے دن انتقام لینا اور اس کے لیے اللہ کے عذاب کا مطالبہ یا اسے معاف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کو قبول کرنا؟ تو آپ نے جواب دیا: ظالم کو معاف کرنے خواہ اس کا حق تھوڑا ہی ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں مظلوم کا اجر ختم نہیں ہوتا اور نہ کم ہوتا ہے بلکہ ظالم کو معاف کرنے سے اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے حق کو معاف نہیں کرتا تو اس صورت میں اس کا حق ظالم پر ہوتا ہے کہ اس سے اپنے اوپر کے گیے ظلم کے برابر بدلہ لے۔ اور اگر اس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا جو اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور برائی

کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں کو قطعاً پسند نہیں کرتا" (الشوری:۴۰)۔ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ برائی کا بدلہ اسی کی مانند برائی بغیر زیادتی کے ہے اور یہ خون اور اموال اور عزتوں وغیرہ کے قصاص میں ہے۔ پھر فرمایا: "پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں کو قطعاً پسند نہیں کرتا"۔

(مجموع الفتاویٰ، ج۷ص۴۱۷)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:

"وَقَدْ قَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ وَأَبَاحَ لَهُمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى اذا عَاقَبُوا الظَّالِمَ أَنْ يُعَاقِبُوهُ بِمِثْلِ مَا عَاقَبَ بِهِ ثُمَّ قَالَ: ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ فَعُلِمَ أَنَّ الصَّبْرَ عَنْ أَجْرٍ أَوْ مُنْقِصًا لَهُ؟ "أه مختصراً."

"پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی" اور اللہ تعالیٰ نے ان (مسلمانوں) کے لیے یہ چیز مباح کی کہ وہ جب ظالم کو سزا دیں تو اسے اس کی سزا کے برابر سزا دیں۔ پھر فرمایا: "اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے" تو پتہ چلا کہ اسے بالمثل سزا دینے سے صبر کرنا اس کی سزا سے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ چیز اس کے اجر کو ختم یا کم کر سکتی ہے"۔

(مجموع الفتاویٰ، ج۷ص۴۱۷)

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "بدلے کی سزا" لینے کو عین شریعت قرار دے رہے ہیں اور صبر کرنے کو ایک اختیاری صورت قرار دیتے ہوئے اس کو اپنانے کو اجر کی زیادتی کا باعث

قرار دے رہے ہیں اور دوسرا نکتہ یہ کہ جب کسی زیادتی کرنے والے مسلمان سے قصاص میں برابر (بالمثل) بدلہ لینا جائز ہے تو پھر جنگجو (کافر) کی زیادتی میں بدلہ لینا کیوں جائز نہ ہو گا؟

اسی طرح امام النووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''فصل اذا قتل بالسیف لم یقتص منه الا بالسیف لقوله تعالی﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ ولأن السیف أرجی الآلات فاذا قتل به واقتص بغیره أخذ فوق حقه لأن حقه فی القتل، وقد قتل وعذب فان أحرقه أو غرقه أو رماه بحجر أو رماه من شاہق أو ضربه بخشب أو حبسه ومنعه الطعام والشراب فمات فللولی أن یقتص بذلك لقوله تعالی﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ولما روی البراء رضی الله عنه أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((من حرق حرقناه ومن غرق غرقناه))

(السنن الکبری للبیہقی ۴۳/۸۔ تفسیر النیسا پوری ۴۱۳/۱۔ تفسیر الرازی ۶۲/۳) ولأن القصاص موضوع علی المماثلة والمماثلة ممکنة بهذه الأسباب فجاز أن یستوفی بها القصاص وله أن یقتص منه بالسیف لأنه قد وجب له القتل والتعذیب فاذا عدل الی السیف فقد ترك بعض حقه فجاز''۔

(''المہذب'' ۱۸۶/۲)

'' فصل: جب کوئی تلوار سے قتل کرے تو اس سے صرف تلوار کے ساتھ ہی بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ: ''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔ (البقرۃ: ۱۹۴) چونکہ تلوار قتل کرنے کے آلات میں سے تیز ترین آلہ ہے سو اگر اُس نے اس کے ساتھ قتل کیا مگر اس سے

قصاص اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے لیا گیا تو اس سے اس کے حق سے زیادہ لیا گیا کیونکہ اس کے قتل میں تلوار کا حق ہے۔ہو سکتا ہے کہ اس نے (مقتول) کو اذیتیں دے کر قتل کیا ہو تو اگر اُس نے اُسے جلایا ہو یا پانی میں غرق کیا ہو یا پتھر سے مارا ہو یا اُسے بلند جگہ سے گرایا یا اسے لکڑی سے مارا ہو یا اسے حبس میں رکھا ہو اور اس سے کھانا اور پانی وغیرہ روکا ہو حتیٰ کہ مر گیا تو اس صورت میں وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس (قاتل سے) سے اسی طریقے سے بدلہ لے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ''ور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی'' اور اس حدیث کی وجہ سے کہ جو البراء رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے جلایا ہم اسے جلائیں گے اور جس نے غرق کیا ہم اسے غرق کریں گے''

(السنن الکبری للبہیقی ۸/۴۳۔تفسیر النیسا پوری ۱/۴۱۳۔تفسیر الرازی ۳/۶۲)

اس لیے بھی کہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اور مماثلت میں یہ اسباب بھی ممکن ہیں لہٰذا انہی اسباب کے ساتھ قصاص کا پورا کرنا جائز ہے مگر اس کے لیے تلوار کے ساتھ بدلہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ اس (قاتل) پر تو قتل واذّیت دینا ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اگر وہ (مقتول کا وارث) تلوار کے ذریعے بدلہ لینے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوتا ہے (یعنی قاتل کو اسی طرح قتل نہیں کرتا کہ جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا) تو یہ اُس کے لیے جائز ہے''۔

امام الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''قَوْله تَعَالَى ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ وقَوْله تَعَالَى ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ وقَوْله تَعَالَى ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ

﴾وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَدِلَّةَ الْقَاضِيَةَ بِتَحْرِيمِ مَالِ الْآدَمِيِّ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ عُمُومُهَا مُخَصَّصٌ بِهَذِهِ الثَّلَاثِ الْآيَاتِ''

'' اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے'' اور اس کا یہ فرمان کہ ''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اس کا یہ فرمان کہ ''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کے خون، مال اور اس کی عزت کی حرمت پر دلالت کرنے والی دلیلوں کی عمومیت کو یہ تین آیتیں مخصوص کرتیں ہیں (یعنی یہ کہ قصاص کی صورت میں آدمی کی عزت و مال و خون کی حرمت ان تین آیات کی وجہ سے باقی نہیں رہتی)''۔

(نیل الأوطار، ج۹ص۷۲)

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں:

''وَقَوْلُهُ: ﴿فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ وَقَوْلُهُ: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ وَقَوْلُهُ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ يَقْتَضِي جَوَازَ ذَلِكَ، وَقَدْ صَرَّحَ الْفُقَهَاءُ بِجَوَازِ احْرَاقِ زُرُوعِ الْكُفَّارِ وَقَطْعِ أَشْجَارِهِمْ اذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ بِنَا''

'' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔ اور اس کا یہ فرمان کہ ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''۔ اور اس کا یہ فرمان کہ ''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی''۔ اس (یعنی جانوں عزتوں اور مالوں کے سلسلے میں بالمثل سزا) کا تقاضا کرتا ہے اور فقہا

ء کفار کی کھیتیوں کو جلانے اور ان کے درختوں کو کاٹنے کے جواز کی صراحت کر چکے ہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں"۔

اہل علم سے نقل شدہ ان دلائل اور اس بیان کے بعد کہ بالمثل سزا جو کہ قرآنی آیات میں وارد ہوئی ہے یہ اُس مثلہ کے ساتھ مخصوص نہیں کہ جو ان آیات میں سے کسی ایک کے نزول کا سبب تھا، بلکہ یہ قصاص، حدود (اسلامی) اور کفار اور مسلمانوں کے ظالم، فاسق لوگوں کے ساتھ معاملات کے لیے عام ہیں۔ سو اگر کسی مسلمان سے اس کے جرم کے مانند قصاص لینا جائز ہے تو پھر جنگجو کافر کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنا زیادہ مناسب اور جائز ہے کہ جس طرح کا اس نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔

(اعلام الموقعین، ج ا ص ۴۴۷)

معاملہ بالمثل میں بعض حرام کردہ چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں:

چنانچہ جب بات "معاملہ بالمثل" کی ہو یعنی بدلے کی سزا دینے کی، تو پھر شریعت میں بعض حرام کردہ چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں جس کی صراحت سلف وصالحین اپنے فتاویٰ میں کر دی ہے۔ چند وہ حرام چیزیں جو کہ حلال ہو جاتی ہیں معاملہ بالمثل "بدلے کی سزا" میں۔

(۱) حرمت کے مہینوں میں لڑنے کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے:

﴿اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاص فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾

(البقرۃ: ۱۹۴)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''وروی عن الحسن أن المشرکین قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم:أنھیت یا محمد عن القتال فی الشھر الحرام؟قال:(نعم)فأرادوا قتالہ،فنزلت الایۃ.المعنی:ان استحلوا ذلک فیہ فقاتلھم''

''اور الحسن سے مروی ہے کہ مشرکین نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرمت کے مہینوں میں لڑنا حرام ہے؟''تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا''ہاں''تو مشرکین نے ان کے خلاف ان مہینوں میں لڑنے کی تیاری شروع کر دی تو اللہ نے یہ آیتیں اتاریں اور ان (آیتوں) کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اس کو جائز کر لیں (یعنی حرمت کے مہینوں میں لڑنا) تو تم بھی اس میں ان سے لڑو۔''

(تفسیر القرطبی،ج۲،ص۳۵۴)

(۲) مسجد حرام میں لڑنے کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے:

اللہ تعالیٰ مسجد حرام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾

''اس میں جو داخل ہو جائے اس کو امن مل جاتا ہے''

(آل عمران:۹۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(البقرة:١٩١)

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ درجِ بالا آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''يقول تعالى: لا تقاتلوهم عند المسجد الحرام الا أن يَبْدَؤوكم بالقتال فيه، فلكم حينئذ قتالهم وقتلهم دفعا للصيال''

''(اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ):''اور کفار کے خلاف مسجد حرام میں لڑائی کا آغاز نہ کرو جب تک وہ تم سے نہ لڑیں (اور اگر وہ تم سے لڑیں) تو تمہیں حق ہے کہ تم ان سے لڑو۔''

(تفسیر ابن کثیر، ج١، ص٥٢٥)

اسی طرح اس آیت پر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لأنی قد جعلتُ الحُرمات قصاصًا، فمن استحلّ منكم أيها المؤمنون من المشركين حُرْمةً فی حَرَمِی، فاستحلوا منه مثله فيه''۔

''(اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ) اس لئے کہ میں نے حرام چیزوں کو جائز کیا ہے قصاص میں۔ تو جس چیز کو مشرکین حلال کر دیں......... جیسے اے ایمان والو! میرے گھر (مسجد الحرام) کی حرمت کو، تو تم بھی اسی طرح حلال کر لو''۔

(تفسیر الطبری، ج٣، ص٥٨١)

(۳)مثلہ کرنے کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے:

مُثلہ کرنا حرام ہے مگر ''بدلے کی سزا دینے'' کی حالت میں یہ حرمت ختم ہو جاتی ہے۔لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہر چیز میں اسی طرح کا معاملہ کریں جس طرح کا معاملہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو۔لہٰذا امام ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ان المثلة حق لهم ،فلهم فعلها للاستيفاء وأخذ الثأر ، ولهم تركها ، والصبر أفضل، وهذا حيث لا يكون في التمثيل بهم زيادة في الجهاد، ولا يكون نكالا لهم عن نظيرها، فأما اذا كان في التمثيل الشائع دعاءً لهم الى الايمان أو زجراً لهم عن العدوان ،فانه هنا من باب اقامة الحدود والجهاد المشروع''

''بلاشبہ مُثلہ کرنا اُن (مسلمانوں) کا حق ہے۔لہٰذا انہیں پورا بدلہ لینے اور انتقام لینے کے لیے اس کام کا حق حاصل ہے اور انہیں اسے نہ کرنے کا بھی اختیار ہے، جبکہ صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔اور یہ بھی (صبر کرنا) اس صورت میں ہے کہ جب ان کا مُثلہ کرنا نہ جہاد میں اضافے کا باعث ہو اور نہ ہی ان کے لیے ایسا کرنے میں سبق ہو۔لیکن اگر تمثیل عام (عام مُثلہ کرنا) انہیں) (کفار کو) ایمان کی طرف دعوت اور انہیں زیادتی و سرکشی سے روکنے کا سبب ہو تو یہاں اس صورت میں یہ کام حدود (اسلامی) کے اور شرعی جہاد کے قیام کے باب میں شمار ہو گا''۔

(الفروع ۲۱۸/٦۔ کتاب الاختیارات ۵۱۲/۵)

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حاشیہ میں فرمایا:

''وقد أباح الله تعالى للمسلمين أن يمثلوا بالكفار اذا مثلوا بهم وان كانت المثلة منهيا عنها فقال تعالى﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ وهذا دليل على جدع الأنف وقطع الأذن وبقر البطن ونحو ذلك هى عقوبة بالمثل ليست بعدوان والمثل هو العدل''

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس چیز کو مباح قرار دیا ہے کہ وہ کفار کا مثلہ کریں اگر انہوں نے ان (مسلمانوں) کا مثلہ کیا ہو ورنہ مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی''۔ یہ (آیت) ناک، کان کاٹنے اور پیٹ چاک کرنے اور اسی طرح کی دوسری سزا بالمثل (بدلے کی سزا) کی دلیل ہے۔ چہ جائے کہ اس چیز پر دلالت کرتی ہو کہ یہ ظلم وزیادتی ہے کیونکہ یہاں پر المثل ہی ''عدل'' ہے''۔

(ابن القیم۔ حاشیہ ۱۲/۱۸۰)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں

''فَأَمَّا التَّمْثِيلُ فِي الْقَتْلِ فَلَا يَجُوزُ الَّا عَلَى وَجْهِ الْقِصَاصِ وَقَدْقَالَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً الَّا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ وَنَهَانَا عَنْ الْمُثْلَةِ حَتَّى الْكُفَّارُ اذَا قَتَلْنَاهُمْ فَإِنَّا لَا نُمَثِّلُ بِهِمْ بَعْدَ الْقَتْلِ وَلَا نَجْدَعُ آذَانَهُمْ وَأُنُوفَهُمْ وَلَا نَبْقُرُ بُطُونَهُمْ الَّا انْ يَكُونُوا فَعَلُوا ذَلِكَ بِنَا فَنَفْعَلُ بِهِمْ مِثْلَ مَا فَعَلُوا''

''جہاں تک مثلہ کا تعلق ہے تو یہ حرام ہے جب تک کہ بدلے میں نہ کیا جائے اور جیسے عمران ابن حصین سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے کبھی ہمیں کوئی خطبہ نہیں دیا مگر یہ

کہ اس میں جب انہوں نے ہمیں حکم نہ دیا ہو سچائی کا، مثلہ کی ممانعت کا" اور کفار کو بھی جب ہم ان سے لڑیں ان کا مثلہ نہیں کیا جاسکتا، نہ ہی ان کے کان کاٹے جاسکتے ہیں، نہ ان کی انتڑیاں نکالی جاسکتی ہیں الا یہ کہ وہ ہمارے ساتھ بھی یہی کریں تو تب ہم ان کے ساتھ وہی کرسکتے ہیں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔"

(مجموع الفتاویٰ، ج٦، ص٣٨٤، باب المحاربون اخذ و المال)

(۴) آگ سے سزا دینے کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ))

"اور بے شک کوئی بھی آگ سے سزا نہیں دیتا سوائے اللہ کے"۔

(مسند احمد، ج: ٣٢، ص٢٤٣، رقم الحدیث: ١٥٤٥٧)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "اگر مشرکین مسلمانوں کو آگ میں جلائیں تو مسلمان بھی بدلے میں ان کو آگ میں جلاسکتے ہیں" کے تحت نقل کیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں قبیلہ عرینہ اور عکل کا واقعہ یوں مذکور ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ (عُكْلٍ أَوْ) عُرَيْنَةَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَفَعَلُوا فَصَحُّوا ثُمَّ مَالُوا عَلَى الرُّعَاةِ فَقَتَلُوهُمْ وَارْتَدُّوا عَنْ الْإِسْلَامِ وَسَاقُوا ذَوْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي أَثَرِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ وَتَرَكَهُمْ فِي الْحَرَّةِ حَتَّى مَاتُوا))

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ (عکل یا) عرینہ کے لوگ مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ شفاء عطا فرمائے گا۔ چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے رکھوالوں اور ان کے چراہوں کو قتل کر دیا اور اسلام سے پھر گئے. جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں (کیونکہ انہوں نے چراہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انہیں تپتے صحراء میں ڈلوا دیا حتیٰ کہ وہ وہیں مر گئے''۔

(صحیح مسلم، ج۹، ص۸، رقم الحدیث ۳۱۶۲۔ صحیح البخاری، ج۱، ص۳۹۰، رقم الحدیث: ۲۲۶)

امام الباجی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''ان (مرتدین) نے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ تو اس صورت میں یہ جائز ہوا کہ ان کے اعضاء کاٹے جائیں (آگ سے) جیسا کہ انہوں نے مسلمانوں کے اعضاء کاٹے جس طرح کے اصولِ قصاص میں ہے''۔

(المنتقی شرح الموطا، ج۳، ص۱۷۲)

اس ضمن میں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ کچھ اسلاف آگ کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے جیسا کہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فَكَرِهَ ذَلِكَ عُمَر وَابْن عَبَّاس وَغَيْرهمَا مُطْلَقًا سَوَاء كَانَ ذَلِكَ بِسَبَبِ كُفْر أَوْ فِي حَال مُقَاتَلَة أَوْ كَانَ قِصَاصًا ، وَأَجَازَهُ عَلِيٌّ وَخَالِد بْن الْوَلِيد وَغَيْرهمَا''

''اور اسلاف کا اختلاف آگ سے جلانے کے متعلق۔ عمر رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ چاہے یہ اُن کے ارتداد کے نتیجے میں ہو یا (اللہ کے خلاف) جنگ یا قصاص میں بھی۔ اور علی رضی اللہ عنہ، خالد ابنِ ولید رضی اللہ عنہ اور دیگر اس کو جائز سمجھتے تھے''۔

(فتح الباری، ج۹، ص ۲۳۰، رقم: ۲۷۹۳)

لیکن امام الشوکانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''وَقَدْ أَحْرَقَ أَبُو بَكْرٍ بِالنَّارِ فِي حَضْرِ الصَّحَابَةِ ۔ وَحَرَّقَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الرِّدَّةِ۔ وَكَذَلِكَ حَرَّقَ عَلِيٌّ كَمَا تَقَدَّمَ فِي كِتَابِ الْحُدُودِ''

(نیل الاوطار، ج۱۲، ص۸۳)

''اور بے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آگ سے جلایا صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اور خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے مرتدین میں سے لوگوں کو جلایا، اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی''

اور ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور یہ قوی اسناد سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو آگ لگائی''۔

(مجموعہ الفتاویٰ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگ سے جلانے کی ممانعت والی حدیث سے لاعلم تھے مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ

((عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ))

" ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو جلایا(تو انہوں نے کہا) اگر یہ مجھ پر ہوتا تو میں نہ جلاتا اور ان کو صرف قتل کر دیتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا" اور کوئی بھی آگ سے سزا نہیں دیتا کیونکہ اللہ ہی ہے جو آگ سے سزا دیتا ہے"۔

(صحیح البخاری، ج۲۱، ص۲۴۱، رقم الحدیث: ۲۴۱۱)

مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ رائے معلوم ہوئی تو اس پر آپ نے یہ فرمایا:

((فَبَلَغَ ذَلِكَ عَلِيًّا كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فَقَالَ وَيْحَ ابْنِ أُمِّ ابْنِ عَبَّاسٍ))

"اور جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اعتراض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے ان کی حدیث کے فہم کو قبول نہیں کیا اور قائم رہے مرتدین کو جلانے کے اپنے عمل پر اور کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جملہ کے متعلق "ابن عباس پر افسوس!(کہ وہ اصل حکم نہ جان سکے)"۔

(مسند احمد، ج۴، ص۳۰۷، رقم الحدیث: ۱۷۷۵، بدایۃ مسند عبد اللہ بن عباس۔ سنن الدار القطنی، ج۷، ص۴۷۶، رقم الحدیث: ۳۲۹۲).

عربی زبان میں "ویح" کا لفظ کسی کے لئے تحسین و تعریف کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی کسی کے متعلق افسوس اور بے علمی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

اسی طرح مصنف عبد الرزاق سے یہ بات منقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جانب سے مرتدین کے جلانے کے عمل پر تنقید کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا یوں جواب دیا:

((عن هشام بن عروة عن أبيه قال:حرق خالد بن الوليد ناسا من أهل الردة،فقال عمر لابي بكر:أتدع هذا الذى يعذب بعذاب الله،فقال أبو بكر:لا أشيم سيفا سله الله على المشركين))

"جب خالد رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو جلایا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہا:"کیا آپ اسے اللہ کی سزا سے سزا دینے کی اجازت دیں گے"ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"میں اس تلوار کو کیسے ڈھانپ دوں جس کو اللہ نے کفار پر چھوڑ دیا"۔

(مصنف عبد الرزاق،ج۵،ص۲۱۲، رقم الحدیث:۹۴۱۲۔باب القتل بالنار)

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ شبہ رفع ہو گیا۔ چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے حوالے سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا فتح قیساریہ کا یہ احوال نقل کرتے ہیں کہ:

"وہ لوگ (یعنی مسلمان) قیساریہ پر روزانہ ساٹھ منجینقوں سے گولہ باری کرتے تھے"۔

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فصل اذا قتل بالسيف لم يقتص منه الا بالسيف لقوله تعالى﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ ولأن السيف أرجى الآلات فاذا قتل به واقتص بغيره أخذ فوق حقه لأن حقه فى القتل، وقد قتل وعذب

فان أحرقه أو غرقه أو رماه بحجر أو رماه من شاهق أو ضربه بخشب أو حبسه ومنعه الطعام والشراب فمات فللولى أن يقتص بذلك لقوله تعالى ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ولما روى البراء رضى الله عنه أن النبى ﷺ قال: ((من حرق حرقناه ومن غرق غرقناه))

(السنن الكبرى للبيهقى ۴۳/۸۔تفسير النيسا پورى ۴۱۳/۱۔تفسير الرازى ۶۲/۳) ولأن القصاص موضوع على المماثلة والمماثلة ممكنة بهذه الأسباب فجاز أن يستوفى بها القصاص وله أن يقتص منه بالسيف لأنه قد وجب له القتل والتعذيب فاذا عدل الى السيف فقد ترك بعض حقه فجاز ''۔

(''المهذب'' ۱۸۶/ ۲)

" فصل: جب کوئی تلوار سے قتل کرے تو اس سے صرف تلوار کے ساتھ ہی بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ: ''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔(البقرۃ) چونکہ تلوار قتل کرنے کے آلات میں سے تیز ترین آلہ ہے سو اگر اُس نے اس کے ساتھ قتل کیا مگر اس سے قصاص اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے لیا گیا تو اس سے اس کے حق سے زیادہ لیا گیا کیونکہ اس کے قتل میں تلوار کا حق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے (مقتول) کو اذیتیں دے کر قتل کیا ہو تو اگر اُس نے اُسے جلایا ہو یا پانی میں غرق کیا ہو یا پتھر سے مارا ہو یا اُسے بلند جگہ سے گرایا یا اسے لکڑی سے مارا ہو یا اسے حبس میں رکھا ہو اور اس سے کھانا اور پانی وغیرہ روکا ہو حتیٰ کہ وہ مر گیا تو اس صورت میں وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس سے اسی طریقے سے بدلہ لے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ''اور

اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی" اور اس حدیث کی وجہ سے کہ جو البراء رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے جلایا ہم اسے جلائیں گے اور جس نے غرق کیا ہم اسے غرق کریں گے"

(السنن الکبری للبیهقی ۸/۴۳۔تفسیر النیسا پوری ۱/۴۱۳۔تفسیر الرازی ۳/۶۲)

اس لیے بھی کہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اور مماثلت میں یہ اسباب بھی ممکن ہیں لہٰذا انہی اسباب کے ساتھ قصاص کا پورا کرنا جائز ہے مگر اس کے لیے تلوار کے ساتھ بدلہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ اس (قاتل) پر تو قتل واذّیت دینا ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اگر وہ (مقتول کا وارث) تلوار کے ذریعے بدلہ لینے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوتا ہے (یعنی قاتل کو اسی طرح قتل نہیں کرتا کہ جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا) تو یہ بھی اُس کے لیے جائز ہے"۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پھر امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''وَقَالَ الْمُهَلَّب: لَيْسَ هَذَا النَّهْيُ عَلَى التَّحْرِيمِ بَلْ عَلَى سَبِيلِ التَّوَاضُعِ، وَيَدُلُّ عَلَى جَوَازِ التَّحْرِيقِ فِعْلُ الصَّحَابَة، وَقَدْ سَمَلَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَ الْعُرَنِيِّينَ بِالْحَدِيدِ الْمَحْمِيِّ، وَقَدْ حَرَقَ أَبُو بَكْرٍ الْبُغَاةَ بِالنَّارِ بِحَضْرَةِ الصَّحَابَة، وَحَرَقَ خَالِد بْن الْوَلِيد بِالنَّارِ نَاسًا مِنْ أَهْل الرِّدَّة''

"یہاں پر (آگ سے جلانے سے) جو منع کیا گیا وہ بطور حرمت نہیں بلکہ اخلاقاً ہے اور یہ اس بات کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ "جلانا" صحابہ کا عمل تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی گرم سلاخوں کو آنکھوں پر پھیرا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو جلایا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت موجود تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو جلایا"۔

(فتح الباری، ج۹، ص۲۳۰، رقم: ۲۷۹۳)

(۵) فصلوں اور درختوں کو تباہ کرنے کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے:

شریعت کی عمومی رہنمائی تو یہ ہی ہے کہ بغیر کسی ضرورت کے کھیتیوں اور فصلوں کو نہ اجڑا جائے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ:

﴿وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾

"اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا"۔

(البقرۃ:۲۰۵)

اسی لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"(بلا ضرورت) درختوں کو نہیں کاٹو، تباہی مت مچاؤ، نہ فصلیں برباد کرو"۔

(المغنی، المبسوط، المحلی)

لیکن جب کفار ہماری کھیتیوں اور فصلوں کو تباہ کر رہے ہوں اور املاک کو برباد کر رہے ہوں تو پھر مسلمانوں کو بھی اس بات کی اجازت ہے کہ وہ کفار کی کھیتیوں اور فصلوں کو تباہ کریں اور املاک کو برباد کریں تاکہ کفار اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ اس کے علاوہ اگر کفار یہ نہ بھی کر رہے ہوں تو ضرورتاً مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا پھر بھی جائز ہے۔ امام ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَلَا يَقْطَعُ شَجَرَهُمْ ، وَلَا يُحَرِّقُ زَرْعَهُمْ ،الَّا أَنْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ فِي بِلَادِنَا،فَيُفْعَلُ ذَلِكَ بِهِمْ لِيَنْتَهُوا وَجُمْلَتُهُ أَنَّ الشَّجَرَ وَالزَّرْعَ يَنْقَسِمُ ثَلَاثَةَ أَقْسَامٍ ؛

أَحَدُهَا: مَا تَدْعُو الْحَاجَةُ الَى اتْلَافِهِ كَالَّذِي يَقْرُبُ مِنْ حُصُونِهِمْ ، وَيَمْنَعُ مِنْ قِتَالِهِمْ ،أَوْ يُسْتَرُونَ بِهِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ ،أَوْ يَحْتَاجُ الَى قَطْعِهِ لِتَوْسِعَةِ طَرِيقٍ،أَوْ تَمَكُّنٍ مِنْ قِتَالٍ،أَوْ سَدِّ بَثْقٍ،أَوْ اصْلَاحِ طَرِيقٍ ،أَوْ سِتَارَةِ مَنْجَنِيقٍ ،أَوْ غَيْرِهِ ،أَوْ يَكُونُونَ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ بِنَا ،فَيُفْعَلُ بِهِمْ ذَلِكَ ، لِيَنْتَهُوا،فَهَذَا يَجُوزُ،بِغَيْرِ خِلَافٍ نَعْلَمُهُ .

الثَّانِي :مَا يَتَضَرَّرُ الْمُسْلِمُونَ بِقَطْعِهِ،لِكَوْنِهِمْ يَنْتَفِعُونَ بِبَقَائِهِ لِعَلُوفَتِهِمْ ،أَوْ يَسْتَظِلُّونَ بِهِ ،أَوْ يَأْكُلُونَ مِنْ ثَمَرِهِ،أَوْ تَكُونُ الْعَادَةُ لَمْ تَجْرِ بِذَلِكَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَدُوِّنَا،فَإِذَا فَعَلْنَاهُ بِهِمْ فَعَلُوهُ بِنَا،فَهَذَا يَحْرُمُ ؛لِمَا فِيهِ مِنْ الْإِضْرَارِ بِالْمُسْلِمِينَ .

الثَّالِثُ :مَا عَدَا هَذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ،مِمَّا لَا ضَرَرَ فِيهِ بِالْمُسْلِمِينَ، وَلَا نَفْعٌ سِوَى غَيْظِ الْكُفَّارِ، وَالْإِضْرَارِ بِهِمْ،فَفِيهِ رِوَايَتَانِ؛احْدَاهُمَا،لَا يَجُوزُ؛لِحَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ وَوَصِيَّتِهِ، وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ ذَلِكَ مَرْفُوعًا الَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَنَّ فِيهِ اتْلَافًا مَحْضًا،فَلَمْ يَجُزْ،كَعَقْرِ الْحَيَوَانِ. وَبِهَذَا قَالَ الأَوْزَاعِيُّ، وَاللَّيْثُ، وَأَبُو ثَوْرٍ. وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَةُ، يَجُوزُ. وَبِهَذَا قَالَ وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ، وَابْنُ الْمُنْذِرِ. قَالَ إِسْحَاق:التَّحْرِيقُ سُنَّةٌ، اذَا كَانَ أَنْكَى فِي الْعَدُوِّ . ''

''کفار کے درخت نہیں کاٹنے چاہیے، نہ ان کی فصلیں جلانی چاہیے، جب تک وہ ہماری زمینوں میں یہ نہ کریں، (اور اگر وہ ایسا کریں) تو پھر ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنا چاہیے

،تاکہ یہ رک جائیں(دوبارہ کرنے سے)اور بنیادی طور پر درخت اور فصلوں (کے احکامات)کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱)......وہ جس کا جلانا ضروری ہے، جیسا کہ وہ جو ان کے قلعوں کے نزدیک ہو اور دشمن کے خلاف لڑنے میں رکاوٹ ہو، یا مسلمانوں کو معذور کرتی ہو(ان پر حملہ کرنے سے) یا ان کو کاٹنے کی ضرورت پڑے راستے کو چوڑا کرنے کی وجہ سے، یا جنگ میں مدد کے لئے، یا راستہ صحیح کرنے کے لئے، یا منجنیق وغیرہ کو چھپانے کے لئے (وغیرہ وغیر) یا اس جیسی اور چیزیں ، یا کفار ہمارے درختوں اور فصلوں کو تباہ کریں تو پھر ان کے ساتھ بھی یہی کیا جاسکتا ہے تاکہ ان کو روکا جاسکے اور اس کی اجازت ہے بغیر کسی اختلاف کے جس کو ہم جانتے ہوں۔

(۲)......وہ جس کے کاٹنے(تباہ کرنے) سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے: یہ اس لئے کہ اس کے باقی رہ جانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے، یا اس کے سائے سے، اور اس پر پھل اور اناج کے کھانے سے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، اور اس سے مسلمان اور کفار کے بیچ نزاع نہ پیدا ہوتا ہو، تو اگر ہم ان درختوں کو کاٹ دیں یا جلادیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں۔ تو یہ منع ہے مسلمانوں کو ممکنہ نقصان پہنچنے کی وجہ سے۔

(۳)......اور جو ان دونوں کے علاوہ ہو: وہ جس سے مسلمانوں کو نہ فائدہ پہنچتا ہو اور نہ نقصان، سوائے یہ کہ اس سے کفار کو نقصان پہنچتا ہو یا وہ غضبناک ہوتے ہوں، تو اسکے سلسلے میں دو رائے ہیں.........

(الف)......اسکی اجازت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکرt کی وہ حدیث اور اس جیسی اور روایت شدہ مرفوع(حدیثیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور اس لئے بھی کہ یہ غیر ضروری تباہی ہے تو اسکی اجازت نہیں جیسا کہ جانوروں کو مارنا(بلاوجہ اس کی اجازت نہیں) اور یہ رائے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، اللیث رحمۃ اللہ علیہ اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

(ب)......اسکی اجازت ہے اور یہ رائے امام مالک، امام شافعی، امام اسحق اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہم کی ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "جلانا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، جب ایسا کرنا دشمن کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو"۔

(المغنی، ج۲۱، ص۱۱۰، مسئلۃ: ۷۵۸۴)

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ایسی صورت جس میں کفار ہماری مال واملاک کو برباد کریں اور عورتوں بچوں کا تواتر کے ساتھ قتل عام کریں اور ان کی ہلاکت کا کوئی شمار نہ کر سکتا ہو تو ہم اس چیز کو ایک "ضرورت" کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ ابنِ قدامہ کے الفاظ پہلے بھی گزر چکے ہیں:

"وَلَا يَقْطَعُ شَجَرَهُمْ، وَلَا يُحَرِّقُ زَرْعَهُمْ، إِلَّا أَنْ يَكُونُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ فِي بِلَادِنَا، فَيُفْعَلُ ذَلِكَ بِهِمْ لِيَنْتَهُوا .... فَهَذَا يَجُوزُ، بِغَيْرِ خِلَافٍ نَعْلَمُهُ"

"کفار کے درخت نہیں کاٹنے چاہئے، نہ ان کی فصلیں جلانی چاہئے، جب تک وہ ہماری زمینوں میں یہ نہ کریں، اور اگر وہ ہمارے شہروں میں ایسا کریں تو ہمیں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے، تاکہ ان کو روکا جاسکے.........اس کی اجازت ہے بغیر کسی اختلاف کے جس کو ہم جانتے ہوں۔"

(المغنی، ج۲۱، ص۱۱۰، مسئلۃ: ۷۵۸۴)

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں نائن الیون کے واقعہ کے حوالے سے "معاملہ بالمثل" پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر وہ سب مظالم جو امریکہ پچھلی کئی دہائیوں سے مسلمانوں پر توڑ رہا ہے، ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں تو اس نتیجے تک پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ امریکہ پر عام تباہی مسلط کرنے کیلئے محض ''معاملہ بالمثل''(یعنی: زیادتی کے برابر بدلہ لینے) کا اصول ہی بطور دلیل کافی ہے، مزید دلائل کی ضرورت نہیں.........!بعض بھائیوں نے امریکی اسلحے سے، بالواسطہ یا بلا واسطہ مارے جانے والے مسلمانوں کے اعداد و شمار جمع کئے ہیں۔ یہ تعداد تقریباً ایک کروڑ تک پہنچتی ہے۔جب کہ امریکی بموں، میزائیلوں اور گولہ بارود سے بھسم ہونے والی مسلمانوں کی اراضی کا ٹھیک سے احاطہ کرنا تو اللہ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ نے جو تباہی پھیلائی اس کا حال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد وہ بھی ہے جو امریکی حملوں کے نتیجے میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئی......... چنانچہ اگر امریکیوں پر کوئی ایسا بم گرایا جائے جس سے ان کے ایک کروڑ لوگ مارے جائیں اور ان کی اتنی ہی زمینیں جل کر راکھ ہو جائیں جتنی انہوں نے مسلمانوں کی جلائیں، تو ایسا کرنا بالکل جائز ہو گا اور اس کے جواز کے لئے ''معاملہ بالمثل'' کے علاوہ مزید کوئی دلیل درکار نہیں۔ اضافی دلائل کی ضرورت تو تب پڑے گی اگر ہم اس تعداد سے زیادہ امریکی مارنا چاہیں!''

(''حکم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الکفار''باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

باب سوم

شبہات اور ان کا جواب

پہلا شبہ

چند کفار کی جرائم کی سزا ان کی پوری قوم سے لینا

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ:

" تم لوگ ان کفار کی عورتوں اور بچوں کو کیسے قتل کر سکتے ہو کہ جنہوں نے یہ کام مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا ہو؟ تم اس شخص سے انتقام کیونکر لے سکتے ہو کہ جس نے یہ کام کیا ہی نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (الاسراء:۱۵) "اور کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

جواب:

سب سے پہلے مذکورہ بالا شبہے میں دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی آیت کے بارے میں سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس آیت کا اصل محل و مقام کیا ہے؟ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اخبار عن الواقع یوم القیامة فی جزاء اللہ تعالی وحکمه وعدله، أن النفوس انما تجازی بأعمالها''

''اور یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ یہ اُس صورتِ حال کے حوالے سے جو آخرت کے دن ہو گی، اللہ کے بدلے کے متعلق اور اس کے فیصلے اور انصاف (کے متعلق) کے جانوں کو اجر (اچھا یا برا) ان کے عمل کی بنیاد پر دیا جائے گا''۔

(تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۳۸۴)

اورامام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ویحتمل أن یکون المراد بھذہ الآیۃ فی الآخرۃ، وکذلك التی قبلھا. فأما التی فی الدنیا فقد یؤاخذ فیھا بعضھم بجرم بعض، لا سیما اذا لم ینہ الطائعون العاصین''

''یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ آیت آخرت سے متعلق ہے جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت مگر جہاں تک اس دنیا کی بات ہے تو یقیناً کچھ لوگوں کو دوسروں کے جرائم کی سزا بھی ملتی ہے خاص طور پر اگر نیک لوگ فاسق لوگوں کو نہیں روکتے''۔

(تفسیر القرطبی، ج۷، ص۱۵۷)

چنانچہ امام المجاہدین شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ علیہ درج بالا شبہ کا بڑی خوبصورتی سے رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وھذا الایراد باطل و ینتقض حتی لو قلناہ علی المقاتلۃ فکیف یقاتل النبی ﷺ مقاتلۃ قریش والذی نقض العھد ھم بنی بکر بن وائل أو قادۃ قریش۔ وکیف یقتل النبی ﷺ رجال وشیوخ وأجراء بنی قریظۃ وھم لم ینقضوا العھد بل نقضہ کبراؤھم وأھل الرأی منھم فقتل بجریرتھم سبعمائۃ

نفس، واسترق من بقی۔ وأیضاً کیف یجیز العلماء المثلة مطلقاً برجال العدو ولم یشترطوا أن تکون المثلة بالفاعل؟ ولو أن رجلاً قتل آخر فلماذا تتحمل عاقلته الدیة ویغرمون والذی ارتکب الجنایة فرد منهم وهم لم یشارکوه ورغم ذلك تحملوا جریرته؟ وفی مسألة القسامة أیضاً کیف یجیز الشرع لخمسین رجلاً من أولیاء المقتول الذین لم یشهدوا القتل، علی أن یقسموا علی رجل مشتبه به بأنه قتل ولیهم ثم یدفع لهم برمته لیقتلوه ؟کیف یُقتل فی هذه الحالة والادانة هنا لم تکن مؤکدة بالطبع کما هی فی حالة الاقرار أو الشهود ؟''

''یہ شبہ باطل اور غلط ہے حتی کہ اگرچہ ہم اسے جنگجوؤں پر ہی لاگو کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے جنگجوؤں سے لڑتے تھے جبکہ جنہوں نے معاہدہ توڑا تھا وہ تو بنی بکر بن وائل یا قریش کے سردار تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے مردوں، بوڑھوں اور ان کے مزدوروں سے لڑتے تھے جبکہ انہوں نے تو معاہدہ نہیں توڑا تھا بلکہ اُن کے بڑوں اور ان کے اہل رائے لوگوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جرم کی وجہ سے سات سو جانوں کو قتل کیا اور جو بچ گئے انہیں غلام بنالیا۔ اسی طرح علماء دشمن کے لوگوں کا مُثلہ کرنے کو مطلق طور پر جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ شرط نہیں لگاتے کہ مثلہ صرف فاعل کا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیتا ہے تو اس کا خاندان اس کی جانب سے دیت کا بوجھ کیوں اٹھاتا ہے اور اُن پر جرمانہ کیوں عائد کیا جاتا ہے جبکہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا وہ تو اُن میں سے ایک فرد تھا اور وہ اس کے ساتھ شامل بھی نہ ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اس کے جرم کی سزا بھگت رہے ہیں؟ اور اسی طرح قسم اٹھانے کے مسئلے میں بھی شرکت نے مقتول کے ورثاء میں سے ایسے پچاس لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے قتل دیکھا بھی نہیں، جائز قرار دیا کہ وہ ایک مشتبہ آدمی کے بارے میں قسم اٹھائیں کہ اس نے ان کے آدمی کو قتل کیا ہے پھر اسے ان

کے حوالے کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ اسے قتل کر دیں اس حالت میں کہ جبکہ یہاں تہمت یقینی نہیں تھی جیسا کہ اقرار (جرم) یا گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے"۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة، ص٢٥)

پھر شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وجاء فی الصحيحين كذلك من رافع بن خديج رضی الله عنه قال كنا مع النبی ﷺ بذی الحليفة من تهامة فأصبنا غنما وابلا فعجل القوم فأغلوا بها القدورفجاءرسول الله ﷺ ((فأمربهافأكفئت))، فكيف يعاقب الرسول ﷺ هؤلاء باتلاف اللحم وهو من الغنائم التی لم تقسم بعد وللجيش جميعاً حق فيه، والذی اعتدى هم الذين أغلوا بها القدور فقط، فلم تكون العقوبة جماعية ؟قال ابن حجر فی الفتح ''وحمل البخاری الاكفاء على العقوبة بالمال وان كان ذلك المال لا يختص بأولئك الذين ذبحوا ،لكن لما تعلق به طمعهم، كانت النكاية حاصلة لهم''.

" اور صحیحین میں رافع ابنِ خدیج کی حدیث میں واقعہ آیا ہے کہ "ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے ذی الحلیفہ التہامہ میں جب ہمیں (کفار کے) کچھ بکرے اور اونٹ ملے تو لوگوں نے جلدی سے (ذبح کر کے) انہیں اپنی دیگچیوں میں پکالیا، تو رسول ﷺ آئے اور حکم دیا کہ ان کو الٹا دیا جائے "تو کیسے رسول ﷺ نے سزا دی ان کو گوشت کو ضائع کر کے جب کہ یہ مالِ غنیمت میں سے تھا جو اب تک تقسیم نہیں ہوا تھا۔ جبکہ پورے لشکر پر اس کا حق تھا۔ اور زیادتی صرف انہوں نے کی جنہوں نے اسے دیگچیوں میں پکالیا، آخر سزا اجتماعی کیوں دی گئی؟ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الفتح میں فرماتے ہیں: "اور امام بخاری دیگیں الٹانے کو ایک

مالی سزا سمجھتے تھے کیونکہ اس مال (پر) صرف ذبح کرنے والوں کا حق نہیں تھا (بلکہ بقیہ مسلمانوں کا بھی تھا) مگر جب ان کی ہوس اس سے جڑ گئی تو پھر سزا ان کو ملی"۔

(حقیقۃ الحرب الصلیبیۃ الجدیدۃ، ص۲۵)

''وأیضاً یرد علی الایراد المتقدم بعموم قول اللہ تعالی﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاتصبین الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّة وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾وقوله﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾۔و الشریعة جاءت بمثل هذه العقوبات لمثل تلك الحالات من الجرائم ،لأن هذه الجرائم التی حمل الشارع عقوبتها غیر الجناة هی معاص تعتبر جماعیة بامكان الجماعة اذا علموا أنهم سیعاقبون بها أن یجبر وا الجانی علی أن یكف عن ذلك ،لذا جاء ت الشریعة بعقاب الجماعة من أجل الفرد،حثاً للجماعة وتحریضاً لهم علی أن یأخذوا علی ید الجانی قبل أن یفعل ذلك والله أعلم''

''اسی طرح مذکورہ بالا شبہ کا ردّ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عمومیت سے بھی ہوتا ہے کہ:''اور اس فتنہ سے بچ جاؤ جو صرف انہی لوگوں کے لیے مخصوص نہ ہو گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔(الانفال) اور اس کا یہ فرمان کہ:''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں بدکرداریاں کرنے لگتے ہیں پھر اسی بستی پر عذاب کی بات صادق آجاتی ہے تو ہم اسے برباد کر دیتے ہیں''۔(الاسراء) شریعت نے جرائم کی مذکورہ بالا حالتوں کی یہ سزائیں رکھی ہیں اس لیے کہ شریعت نے جرائم کی سزا ان کے غیر مرتکب افراد کے لیے رکھی ہیں کیونکہ یہ اجتماعی معصیتیں شمار کی جاتیں ہیں کیونکہ یہ جماعتیں اگر جان لیتیں

کہ انہیں بھی اس کی سزا ملے گی تو وہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو اس فعل سے باز رہنے پر مجبور کرتیں۔ اسی لیے شریعت نے فرد کی سزا جماعت کو دی تا کہ جماعت کو مجرم کے فعل سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑنے پر ابھارا جائے۔ واللہ اعلم"۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة، ص۲۵)

اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مجرم قبیلے کے حلیف قبیلے کے فرد کو بھی مجرم تصور کیا تھا۔ اس کی مزید تائید عمران ابن حصین سے مروی روایت ہے:

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِي عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ وَأَصَابُوا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ فَأَتَى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْوَثَاقِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ بِمَ أَخَذْتَنِي وَبِمَ أَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ فَقَالَ إِعْظَامًا لِذَلِكَ أَخَذْتُكَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيفَ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ قَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِي وَظَمْآنُ فَأَسْقِنِي قَالَ هَذِهِ حَاجَتُكَ فَفُدِيَ بِالرَّجُلَيْنِ))

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (طائف کا قبیلہ) ثقیف، بنو عقیل کے حلیف (اتحادی) تھے۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو قید کر لیا تو اصحاب رسول اللہ ﷺ نے بنی عقیل کے ایک آدمی قید کر لیا اور اس کے ساتھ

عضباء اونٹی کو بھی گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس قید کئے گئے شخص کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ وہ بندھا ہوا تھا۔ اس نے کہا اے محمد! آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کیا بات ہے؟ تو اس نے عرض کیا آپ ﷺ نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور کس وجہ سے حاجیوں پر سبقت لے جانے والی (اونٹنی) کو گرفتار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس بڑے قصور کی وجہ سے میں نے تمہیں تمہارے حلیف قبیلہ ثقیف کے بدلے گرفتار کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ اس سے جدا ہونے لگے تو اس نے آپ ﷺ کو اے محمد! اے محمد! کہہ کر پکارا اور رسول اللہ ﷺ مہربان اور نرم دل تھے، لہٰذا آپ اس کی طرف لوٹے تو پھر فرمایا کہ کیا بات ہے تو اس نے کہا: 'میں مسلمان ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'کاش! تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم اپنے معاملے کے مکمل طور پر مالک تھے، اگر ایسا ہوتا تو تم پوری کامیابی حاصل کر لیتے''۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ پھر پلٹنے لگے تو اس نے آپ ﷺ کو اے محمد! اے محمد! کہہ کر پکارا۔ آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھلائیے اور میں پیاسا ہوں مجھے پلائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہاری حاجت وضرورت ہے یعنی اسے کھلایا اور پلایا۔ پھر اسے ان دو آدمیوں کا فدیہ بنایا گیا (جنہیں ثقیف نے گرفتار کیا تھا)''۔

(صحیح مسلم، ج۸، ص۴۲۶، رقم الحدیث: ۳۰۹۹)

درج بالا حدیث میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

(۱) کفار کے ایک قبیلے نے دو مسلمانوں کو قید کر لیا۔

(۲) صحابہ نے بدلے میں اغوا کرنے والے قبیلے کے حلیف کے ایک فرد کو قید کر لیا۔

(۳) اللہ کے رسول ﷺ فرمایا ''میں نے تمہیں تمہارے قبیلے کے حلیف (اتحادی) کے جرم کی بنا پر قید کیا ہے''۔

(۴) اور یہ بات تو واضح ہے ہی کہ وہ کافر مرد کسی جرم کا قصوروار نہیں تھا۔

(۵) اور نہ ہی جرم والا عمل اس کے قبیلے (بنو عقیل) کا تھا جس سے اس کا تعلق تھا۔

(۶) جرم بنو ثقیف کا تھا جو کہ حلیف (اتحادی) تھے اُس قبیلے کے جس سے اِس شخص کا تعلق تھا۔

شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی پر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل کر کے کوئی زیادتی نہیں کر رہے تھے کیونکہ جنگ کی صورت میں ایسے افعال ضرورت بن جاتے ہیں تا کہ اہلِ اسلام کی حفاظت ممکن بنائی جاسکے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کی جاسکے بجز اس کے کہ ایسے افعال کئے جائیں''۔

(التبیان فی استھداف النساء والصبیان، ص۱۰۵)

شیخ علی الخذیر فک اللہ اسرہ اس حدیث کے نتائج کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم (اور علماء) اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر مجرمین کا تعلق ایک گروہ سے ہو یا طائفہ ممتنعہ سے یا کوئی ایسا ملک ہو جو کہ ملوث ہوں (مسلمانوں سے جنگ کرنے میں) تو یہ جائز ہے کہ ان میں سے جو مجرم نہ ہو ان کو بھی سزا دی جاسکے ان جرائم کی بناء پر جو ان کے دیگر لوگوں نے کیا ہو، اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ کام نہ ہوتا تو جہاد ناکام ہو جاتا اور دشمنانِ دین کو غلبہ حاصل ہو جاتا''۔

(التبیان فی استھداف النساء والصبیان، ص۱۰۵)

یاد رہے کہ ایسا فعل صرف کافروں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ باقی رہے کہ وہ ممالک اسلامیہ جہاں بد قسمتی سے طواغیت کی حکمرانی ہے جو کہ کفار کے اتحادی ہی نہیں بلکہ خطِ اوّل کے سپاہی بنے ہوئے ہیں لہٰذا ان طواغیت کے لشکروں اور ان سے متعلقہ معاونین کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے مگر عام مسلمان ایسے فعل سے مستثنیٰ ہوں گے سوائے اس کے جس کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ بھی انہی طواغیت کے انصار واعوان میں سے ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا شبہ

کفار کو دعوت پہنچائے بغیر ان پر عام حملہ کرنا

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ

"ٹھیک ہے کہ کفار کی جان ومال اور عزت کی کوئی حرمت نہیں لیکن ان پر عام حملہ کرنے اور ان پر تباہی مسلط کرنے سے پہلے ان پر اسلام کی دعوت کا پہنچانا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایسے افعال کی شریعت میں اجازت نہیں"

اس کی دلیل میں وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار پر چڑھائی کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا اور اس کے بغیر حملہ کرنے کی ممانعت کی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ:

((وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ))

''جب تمہارا اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا، وہ ان میں سے جس کو بھی قبول کر لیں تو ان سے جنگ سے رک جانا۔ اوّل ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کرنا''۔

(صحیح مسلم، ج۹، ۱۵۰، رقم الحدیث: ۳۲۶۱)

پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسری صورت یہ بتائی کہ ان کو جزیہ کی دعوت دینا اور اگر وہ بھی قبل نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرنا۔

جواب: اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کے حوالے سے پہلی صورت یہ ہے کہ ''اقدامی جہاد'' ہو یعنی مسلمان کفار پر حملہ آور ہوں تو اس صورت میں کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنا واجب ہے جبکہ ان تک یہ دعوت کسی بھی ذریعے سے نہ پہنچی ہو اور اگر یہ دعوت پہنچ گئی ہو تو پھر یہ دعوت دینا مستحب ہے، یعنی پسندیدہ ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر ان کفار تک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دے ورنہ جزیہ کی ادائیگی کا کہے۔ تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کر دیا تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص''۔

(رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ، ص: ۲۹۳)

جیسا کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ''اقدامی جہاد'' میں کفار تک اگر دعوت پہنچی چکی ہو تو ان کو دوبارہ دعوت دینا گو کہ مستحب ہے لیکن اگر اس دعوت دینے میں جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو

نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر دعوت نہیں دی جائے گی۔ چناچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "در مختار "سمیت دیگر کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر لکھاہے کہ:

''(فان حاصرناهم دعوناهم الى الاسلام فان أسلموا)فبها (والا فالى الجزية)لو محلا لها كما سيجئى (فان قبلوا ذلك فلهم ما لنا)من الانصاف (وعليهم ما علينا)من الانتصاف......(وندعو ندبا من بلغته الا اذا تضمن ذلك ضررا)ولو بغلبة الظن،كأن يستعدون أو يتحصنون فلا يفعل فتح(والا)يقبلوا الجزية(نستعين بالله ونحاربهم بنصب المجانيق وحرقهم وغرقهم وقطع أشجارهم)''۔

"اگر ہم نے کفار کا محاصر کر لیاہو تو ہم ان کو پہلے اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو بہت اچھا ورنہ پھر جزیہ دینے کی طرف بلائیں گے۔ اگر انہوں نے اس کو قبول کر لیا تو پھر ہم اور وہ قانون اسلام اور قانون انصاف کے سامنے یکساں ہوں گے.........اور جن کفار تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے قبل از دعوت لڑنا جائز نہیں ہے لیکن جن کفار تک دعوت پہنچی ہو تو ان کو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ ہاں اگر اس دعوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر دعوت نہیں دی جائے گی۔ اگر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا تو پھر ہم اللہ کا نام لے کر ان سے لڑیں گے۔ منجنیق سے ان پر گولہ باری کریں گے، آگ سے انہیں جلائیں گے یا پانی میں ڈبوئیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کو بھی تباہ کر دیں گے"۔

(در المختار،ج۴،ص۳۰۵)

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ "میں یہ بات مذکور ہے کہ:

''(وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَى الْاِسْلَامِ اِلَّا أَنْ يَدْعُوهُ)لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ(فَادْعُهُمْ اِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ)وَلِأَنَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكْفَى مُؤْنَةُ الْقِتَالِ، وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ، وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ أَوْ الْاِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ(وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ)مُبَالَغَةً فِي الْاِنْذَارِ ، وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ)''۔

''جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ''ان کفار کو پہلے کلمۂ شہادت کی دعوت دیا کرو'' اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا مستحب ہے کہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہو جائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مار کر ہلہ بول دیا تھا کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زیدt کو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقہ ''ابنی'' کے لوگوں پر چھاپہ مار کاروائی کرو اور پھر علاقہ میں آگ لگادو۔(ظاہر ہے) کہ چھاپہ مار کر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے''۔

(العناية شرح الهداية، ج۷، ص۴۴۳)

یہ بات بھی واضح رہے کہ کفار تک دعوت اسلام پہنچنے کا مطلب کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے۔فقہاء نے اس کو یوں واضح کیا ہے:

''بُلُوغُ الدَّعْوَةِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا بِأَنِ اسْتَفَاضَ شَرْقًا وَغَرْبًا أَنَّهُمْ إِلَى مَاذَا يَدْعُونَ وَعَلَى مَاذَا يُقَاتِلُونَ فَأُقِيمَ ظُهُورُهَا مَقَامَهَا انْتَهَى''

''دعوت پہنچنا دو قسم پر ہے، حقیقتاً یا حکماً، اور حکماً اس طرح ہو تا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہور اور عام ہو جائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر ''لڑتے'' ہیں ۔ چنانچہ اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا''۔

(فتح القدیر،ج:۱۲ص:۳۹۴)

اسی لئے امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''قَالَ مَالِك: مَنْ قَرُبَتْ دَارُهُ قُوتِلَ بِغَيْرِ دَعْوَةٍ لِاشْتِهَارِ الْإِسْلَامِ وَمَنْ بَعُدَتْ دَارُهُ فَالدَّعْوَةُ أَقْطَعُ لِلشَّكِّ''

''جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہو تو ان کو ''دعوت اسلام'' دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوسی کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں)۔ اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک وشبہ دور ہو جائے''۔

(فتح الباری،ج۹،ص۱۰۹)

اسی لئے بعض فقہاء کے نزدیک اب کافروں کو ''اقدامی جہاد'' سے پہلے دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' میں آج کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نہ کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہوں یا خزر (چیچنیا) کے

پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہو تو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہیے"۔

(رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ، ص: ۲۹۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کی شرح میں "دعوت" کے حوالے سے سلف کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

''وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا دَعْوَةَ الْيَوْمَ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا أَعْرِفُ الْيَوْمَ أَحَدًا يُدْعَى''

" اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ آج دعوت کی ضرورت نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی (کافر) کو دعوت دینا ضروری ہے"۔

(سنن الترمذی، ج:٦، ص:٣٧، رقم الحدیث:١٤٦٨)

یہ ہیں وہ احکامات جو کہ "اقدامی جہاد" کی صورت میں دعوت الی الاسلام کے لئے شریعت نے واضح کئے۔

چنانچہ غور کرنے کی بات ہے جب "اقدامی جہاد" کے دوران مسلمانوں کے کسی نقصان کے اندیشے یا جنگی حکمت عملی کی بناء پر کفار کو دوبارہ دعوت دینے سے منع کیا گیا ہو تو پھر کیسے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہو جائے گا کہ وہ "دفاعی جہاد" کے دوران کفار کو دعوت دیں جبکہ ایک طرف کفار مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہوں اور مسلمانوں کی املاک برباد کر رہے ہوں اور دوسری طرف فقہاء کرام اس بات کی سراحت کر چکے ہوں کہ اب کفار کو دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی دعوت دیتا ہے تو مستحب ہے لیکن نہ دینے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایسے کفار موجود ہیں جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی، جو کہ خارج از امکان ہے، اگر کوئی کافر قتل ہو جائے تو پھر بھی حملہ آور مسلمان پر کوئی قصاص و کفارہ نہیں۔ جیسا کہ ہم شروع میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھ آئے کہ:

''تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کر دیا تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص''۔

لیکن جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں، تو فقہاء کرام کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ:

''وَاِنْ هَجَمُوْا عَلَيْنَا سَقَطَتِ الدَّعْوَةُ''

''اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے حملہ بول دیا تو دعوت ساقط ہو جائے گی''۔

(الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ ۴۱۳۔ از مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يُقَاتَلُ الْعَدُوُّ حَتَّى يُدْعَوْا اِلَّا أَنْ يَعْجَلُوا عَنْ ذَلِكَ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَقَدْ بَلَغَتْهُمُ الدَّعْوَةُ''

''امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے مگر یہ کہ وہ خود ابتداء کر دیں اور اس صورت میں اگر انہیں دعوت نہ دی گئی تو حقیقت یہ ہے کہ انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے''۔

(سنن الترمذی، ج:۶، ص:۳۷، رقم الحدیث:۱۴۶۸)

تیسرا شبہ

اگر دار الحرب میں کفار کی عورتیں اور بچے بے قصور بھی مارے جائیں تو اس کا شرعی حکم

کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شریعت میں کفار کی عورتوں اور بچوں بے قصور مارنے کی ممانعت تو بحر حال وارد ہوئی ہے لہذا دار الحرب میں عام حملہ کرنے کی صورت میں بعض اوقات کفار کی عورتیں اور بچے بے قصور مارے جاتے ہیں چنانچہ ایسی کسی بھی صورت میں جب کفار کی عورتیں اور بچے مارے جائیں تو اس کا وبال کس پر ہو گا اور ایسا کرنے والا تو بحر حال قابل گرفت ہے؟

جواب:

امام سرخسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت کرتے ہیں:

''وَمَنْ قَتَلَ أَحَدًا مِنْ هَؤُلَاءِ قَبْلَ وُجُودِ الْقِتَالِ مِنْهُ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَلَا دِيَةَ .لِأَنَّ وُجُوبَهُمَا بِاعْتِبَارِ الْعِصْمَةِ وَالتَّقَوُّمِ فِي الْمَحَلِّ،وَذَلِكَ بِالدِّينِ أَوْ بِالدَّارِ،وَلَمْ يُوجَدْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا،وَإِنَّمَا حَرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِيرِ الْمَنْفَعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ،أَوْ لِانْعِدَامِ الْعِلَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْقَتْلِ ، وَهِيَ الْمُحَارَبَةُ، لَا لِوُجُودِ عَاصِمٍ أَوْ مُقَوِّمٍ فِي نَفْسِهِ،فَلِهَذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ، وَإِلَى هَذَا أَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ بِقَوْلِهِ((هُمْ مِنْهُمْ)) يَعْنِي أَنَّ ذَرَارِيَّ الْمُشْرِكِينَ مِنْهُمْ ، فِي أَنَّهُ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ وَلَا قِيمَةَ لِذِمَّتِهِمْ .''

"(کافر) عورتیں، بچے، پاگل اور بوڑھے جو دارالحرب کے مکین ہیں ان کو نہیں مارنا چاہئے اور جو کوئی اِن میں سے کسی کو مارے بغیر اس کے کہ وہ آپ سے لڑے ہوں تو اس کے باوجود اس پر کفارہ نہیں آتا اور نہ ہی دیت (یہ تو دور کی بات ہے کہ اسے سزا ملے) اور یہ اس لئے کہ کفارہ اور دیت لازم اسی چیز پر آتی ہے جس کی حرمت اور حفاظت فی نفسہٖ ہو اور یہ حرمت اور حفاظت صرف اسلام سے اور دارالاسلام سے ملتی ہے۔ اور اس مسئلہ میں دونوں میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے اس کے باوجود بھی ان عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان (کو غلام اور باندیاں بنانے) سے ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ بنیاد موجود نہیں جس سے ان کا قتل لازمی آتا ہے یعنی جنگ، اور اس لئے نہیں کہ ان کی کوئی عصمت اور مرتبہ فی نفسہ موجود ہو۔ اسی لئے ان کے قتل کرنے پر کفارہ یا دیت واجب نہیں ہوتی۔ چناچہ اسی بات کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا جب انہوں نے کہا "یہ انہی میں سے ہیں" مطلب یہ کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے یقینا مشرکین میں سے ہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی حرمت نہیں اور نہ ہی کوئی مرتبہ ہے جس کو تاتار نہ کیا جاسکے"۔

امام کاسانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''وَلَوْ قُتِلَ وَاحِدٌ مِمَّنْ ذَكَرْنَا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ فَلَاشَيْئَ فِيهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ ،الَّا التَّوْبَةُ وَالِاسْتِغْفَارُ ؛ لأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ الَّا بِالْأَمَانِ''

"اگر ان میں سے کوئی بھی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں میں سے) جن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کسی کو قتل کر دیا جائے تو دیت اور کفارہ لازم نہیں آتا سوائے توبہ واستغفار کے اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے"۔

(بدائع الصنائع، ج۱۵، ص۲۸۴)

امام ابن نجیم فرماتے ہیں:

''لَوْ قَتَلَ مَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ قَتْلُهُ مِمَّنْ ذَكَرْنَا فَلَا شَيْئَ فِيهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ إِلَّا التَّوْبَةُ، وَالِاسْتِغْفَارُ ؛ لِأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ إِلَّا بِالْأَمَانِ''

''اور اگر کوئی قتل کر دے کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا ممنوع ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (جیسے عورتیں اور بچے) تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی جیسا کہ دیت یا کفارہ، بس یہ کہ (اس پر لازم ہے کہ) وہ توبہ اور اللہ سے معافی مانگے۔ اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے جو موجود نہیں۔''

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۱۳، ۳۱۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وللمسلمين أن يشنوا عليهم الغارة ليلا ونهارا فان أصابوا من النساء والولدان أحدا لم يكن فيه عقل ولا قود ولا كفارة''

'' اور مسلمانوں کے لئے اس کی اجازت ہے کہ کفار پر رات کو اور دن کو حملہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں (بلا ارادہ) عورتیں اور بچے مارے جائیں اس (کام کے کرنے والے) پر کوئی دیت اور کفارہ اور معاوضہ نہیں''۔

(الأم، ج۴، ص۴۵۲)

یہاں بھی ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ کفار پر حملے کے دوران ان کی عورتوں اور بچوں کے (بلاارادہ) مارے جانے میں کوئی حرج نہیں چاہے وہ وقت رات کا نہ ہو بلکہ یہ کام دن کی روشنی میں ہو۔

کفار کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کا مال غنیمت ہیں:

جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی حرمت مطلق (عام) نہیں ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ مسلمانوں کی منفعت یعنی ان کا مال غنیمت ہیں۔حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَط مِنْ حَدِيث أَبِي سَعِيد قَالَ ''نَهَى رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان وَقَالَ: ''هُمَا لِمَنْ غَلَبَ''

''ابو سعید سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے''۔امام طبرانی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں''یہ اس لئے کہ وہ فاتح (مجاہدین) کا مال ہے۔''

(فتح الباری، ج۹، ص۲۲۸، رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

امام رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور اگر وہ (دارالحرب کے باشندے) مسلمانوں کو یا ذمی کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں تو ان پر حملہ نہیں کرنا چاہئے الا یہ کہ اس کی ضرورت ہو۔ یہ اس لئے کہ اہلِ ایمان اور اہل الذمہ کی حرمت کا احترام واجب ہے۔(اس کے برعکس) کافر کے عورتوں اور بچوں کے

مارنے سے متعلق یہ ممانعت مختلف ہے کیونکہ یہ معاملہ خصوصاً غنیمت کے حق کو محفوظ کرنے کا ہے (یعنی مجاہدین ان عورتوں اور بچوں کے مالک بنیں گے)''۔

(النھایہ المحتاج، ج۸، ص۶۵)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور جیسا کہ دارالحرب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے پاس نہ ایمان ہے اور نہ ہی امان ہے'' اور ان کے قتل کی ممانعت کی وجہ یہی ہے جو ممکنہ فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہو سکتا ہے ان پر قبضہ کرنے یا ان کو مسلمانوں کا غلام بنانے سے''۔

(المغنی، ج۸، ص۶۷)

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''وَاِنَّمَا حَرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِيرِ الْمَنْفَعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ''

'' عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان (کو غلام اور باندیاں بنانے) سے مسلمانوں کو ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے''۔

(شرح السیر الکبیر، ج۱، ص۴۴۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وانھن والولدان متخولون فیکونون قوۃ لاھل دین اللہ عزوجل''

"اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (عورتیں) اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہو سکتی ہے اللہ بزرگ و برتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے۔"

(الرسالۃ:۲۹۹)

مشہور سعودی عالم دین شیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ متفق ہیں اس بات سے جب وہ کہتے ہیں:

"اور جہاں تک تعلق ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کا جو کہ کافر عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے. تو وہ کیا وجہ تھی جس کی بنیاد پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا؟ وہ اس لئے کہ ان کو قید کیا جائے اور غلام بنایا جائے کیونکہ اگر وہ مارے جائیں تو یہ مسلمانوں کے فائدے میں نقصان ہو گا"۔

(کتاب الجہاد ،شرح بلوغ المرام)

کافروں کی عورتوں کے حوالے سے بس ایک بات ذہن میں رہے کہ ان کو مال غنیمت کے طور پر ،چاہے وہ انفرادی ہو یا امام کے تحت ہو، حاصل کرنے کے بعد ان کو لونڈیاں بنانے یعنی ان سے تمتع (جنسی اختلاط) صرف وہ شخص ہی حاصل کر سکتا ہے جو کہ اس کا مالک بن گیا ہو یا جس کو امام کی طرف سے مالک بنا دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص ان سے تمتع حاصل نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ مالک اس کو کسی دوسرے کے ہبہ کر دے یا پھر کسی اور کے نکاح میں دیدے یا پھر اس کو آزاد کر دے اور پھر وہ کسی سے نکاح کر لے۔ اس حوالے سے مزید تفصیلی احکامات ہیں جس کے لئے قدیم فقہاء کرام کی کتب و فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا شبہ

مسلمانوں کی موجودگی میں کافروں کے علاقوں میں عام حملہ کرنے کا حکم

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ یا اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ کفار کے ممالک میں بڑی تعداد مسلمانوں کی رہتی ہے تو وہاں عام تباہی پھیلانے کی صورت میں اگر وہاں کفار کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی نشانہ بن جائیں تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ چناچہ وہ عام تباہی پھیلانے والے افعال اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کرنا جائز نہیں اور اس کی دلیل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

"یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لئے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ میں پہنچنے سے (روکا)، اور اگر ایسے (بہت سے) مسلمان مرد اور (بہت سی) مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں دکھ پہنچتا، (تو تمہیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے"۔

(سورۃ الفتح :۲۵)

جواب:

حربی کفار کے علاقوں پر حملہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کے وہاں وجود کے یقینی ہونے کے باوجود، امام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جنگ میں مسلمانوں کے کفار کے ساتھ مختلط(گڈ مڈ)ہونے کی وجہ سے اُن کے قتل ہونے کے پیشِ نظر، کفّار سے نہ لڑنا مستحسن امر تو ہے، مگر واجب نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وان كان فى الدار أى دار الحرب أسارى من المسلمين،أو تجارٌ مستأمنون كرہت النصب عليهم بما يعم من التحريق،والتغريق وما أشبهه،غير محرم له تحريماً بيناً''

''اگرچہ (دارالحرب) میں مسلمان قید میں ہو یا پھر پر امن تاجر ہوں، تو ایسی صورت میں اُن (کفّار) پر ایسی چیز نصب کرنا کہ جس سے عام ہلاکتیں ہوں، جیسے آگ لگانا اور پانی کے ساتھ غرق کرنا اور اس سے مشابہ دوسرے کام ''مکروہ'' تو ہیں، مگر ایسے حرام نہیں کہ جن کی حرمت واضح ہو۔''۔

(الآم ۴ /۲۴۴)

امام ابو بکر الجصّاص رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الفتح کی اوپر ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا احْتِجَاجُ مِنْ يَحْتَجُّ بِقَوْلِهِ:﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ﴾ الْآيَةَ،فِي مَنْعِ رَمْيِ الْكُفَّارِ؛لِأَجْلِ مَنْ فِيهِمْ مِنْ الْمُسْلِمِينَ،فَإِنَّ الْآيَةَ لَا دَلَالَةَ فِيهَا عَلَى مَوْضِعِ الْخِلَافِ وَذَلِكَ؛لِأَنَّ أَكْثَرَ مَا فِيهَا أَنَّ اللَّهَ كَفَّ الْمُسْلِمِينَ عَنْهُمْ ؛لِأَنَّهُ كَانَ فِيهِمْ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ لَمْ يَأْمَنْ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَوْ دَخَلُوا مَكَّةَ بِالسَّيْفِ أَنْ يُصِيبُوهُمْ وَذَلِكَ انَّمَا يَدُلُّ عَلَى ابَاحَةِ تَرْكِ رَمْيِهِمْ وَالْإِقْدَامِ عَلَيْهِمْ، فَلَا دَلَالَةَ عَلَى حَظْرِ الْإِقْدَامِ عَلَيْهِمْ مَعَ الْعِلْمِ بِأَنَّ فِيهِمْ مُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّهُ جَائِزٌ أَنْ يُبِيحَ الْكَفَّ عَنْهُمْ ؛ لِأَجْلِ الْمُسْلِمِينَ وَجَائِزٌ أَيْضًا ابَاحَةُ الْإِقْدَامِ عَلَى وَجْهِ التَّخْيِيرِ، فَإِذًا لَا دَلَالَةَ فِيهَا عَلَى حَظْرِ الْإِقْدَامِ ''

''جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ولولا رجال مؤمنون ونساء۔۔۔الخکو اس بات کی دلیل بنانے کا تعلق ہے کہ جب کفار کے درمیان مسلمان پائے جاتے ہوں تو ان پر حملہ کرنا درست نہیں، تو یہ آیت ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مشرکین (مکہ) کے درمیان مسلمان بھی پائے جاتے تھے اور اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تلوار کے زور پہ داخل ہوتے تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ مسلمان بھی ان کے ہاتھوں مارے جاتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صحابہ] کو ان پر حملہ نہیں کرنے دیا۔ یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مشرکین کے درمیان مسلمان بھی موجود ہوں تو ان کو نشانہ بنانے اور حملہ کرنے سے رکنا ''مباح'' ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی جس سے ایسی صورت میں حملہ کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو......... کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ مسلمانوں کو بچانے کی خاطر مشرکین پر حملے سے رکنا مباح قرار دیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی معقول ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ کرنا بھی مباح ہو اور مسلمان دونوں میں سے جس راہ (میں شرعی مصلحت دیکھیں اسے) اختیار کر لیں۔ بہر حال اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں موجود جس سے (ایسی صورت میں) مشرکین پر حملہ ممنوع قرار پائے''۔

(احکام القرآن، ج۸ص۴۲۴)

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ثم ان من أجرى عموم هذه الآية ومنع الاضرار بدار الحرب لوجود مسلمين فيها، فان قوله هذا يقتضى منع الحرب ضد أية دولة حربية فى زماننا، لأنه اليوم لا توجد دولة من دول الكفر والحرب الا وفيها عدد ليس بالقليل من المسلمين، والحروب فى هذا الزمن تضر كل السكان اما بشكل مباشر أو غير مباشر، فاذا منعنا الاضرار بهم بأية طريقة فقد أفضى ذلكالى تعطيل الجهاد ضد دول الكفر والحرب بحجة وجود مسلمين فيها''

''پھر آج جو شخص، اس آیت کی عمومیت کو لاگو کرتے ہوئے دارالحرب میں مسلمانوں کے وجود کے سبب دارالحرب کو کوئی نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے، تو اس کا یہ قول ہمارے زمانے کے کسی بھی حربی ملک کے خلاف جنگ سے منع کرنے کا متقاضی ہے کیونکہ آج کوئی بھی ایسا کافر اور جنگجو ملک نہیں کہ جہاں تھوڑے بہت مسلمان نہ ہوں۔ جبکہ آج کے زمانے کی جنگیں تو پوری آبادی کو براہِ راست یا بالواسطہ طور پر نقصان پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا اگر ہمیں حربی کفار کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو کسی بھی طریقے سے نقصان پہنچنے کا اندیشے کے بناء پر جہاد سے منع کیا جاتا ہے، تو اس سے مسلمانوں کے وجود کی حجت کے سبب تمام کفریہ اور حربی ملکوں کے خلاف جہاد معطل ہو کر رہ جائے گا (جس کی شریعت میں اجازت نہیں)''۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة، ص۳۸)

امام سرخسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وَلَا بَأْسَ بِإِرْسَالِ الْمَاءَ الَى مَدِينَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَإِحْرَاقِهِمْ بِالنَّارِ وَرَمْيِهِمْ بِالْمَنْجَنِيقِ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ أَطْفَالٌ أَوْ نَاسٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ أَسْرَى أَوْ تُجَّارٌ''اہ ۔

''اہلِ حرب کے شہر میں پانی چھوڑنے، انہیں آگ سے جلاڈالنے اور ان پر منجنیق کے گولے برسانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کے درمیان بچے اور مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی موجود ہوں۔''

(المبسوط، ج۱۲ص۱۲۵)

امام ابن فرحون المالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مسألة:لم يختلف في رمي مراكبهم بالمنجنيق، وكذلك حصونهم، وان كان فيهم مسلمون''اه۔

''مسئلہ: کفار کی سواریوں اور قلعوں پر منجنیق کے گولے برسانے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگرچہ ان کے درمیان مسلمان ہی کیوں نہ موجود ہوں۔''

(تبصرة الحكام: ۲/ ۹۵)

امام مواق المالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ابن القاسم: لا بأس أن ترمى حصونهم بالمنجنيق، و يقطع عنهم المير و الماء وان كان فيهم مسلمون أوذرية، وقاله أشهب۔''

''ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کفار کے قلعوں پر منجنیق سے گولہ باری کرنے اور ان کی خوراک اور پانی روک دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ ان کے درمیان مسلمان یا چھوٹے بچے ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ یہی بات اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے''۔

(التاج والاكليل: ۴/۵۴۴)

امام ابن حجر الہیثمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ''تحفۃ المحتاج''میں اسلاف کے اقوال، جو کہ بین القوسین ہیں، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَذَلِكَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى﴿وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ﴾؛ وَلِأَنَّهُ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَرَ أَهْلَ الطَّائِفِ وَرَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ)رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ نَعَمْ لَوْ تَحَصَّنَ حَرْبِيُّونَ بِمَحَلٍّ مِنْ حَرَمِ مَكَّةَ لَمْ يَجُزْ حِصَارُهُمْ وَلَا قِتَالُهُمْ بِمَا يَعُمُّ تَعْظِيمًا لِلْحَرَمِ ،وَظَاهِرٌ أَنَّ مَحَلَّهُ حَيْثُ لَمْ يُضْطَرَّ لِذَلِكَ.(وَتَبْيِيتُهُمْ)أَيْ الْإِغَارَةُ عَلَيْهِمْ لَيْلًا .(فِي غَفْلَةٍ)لِلِاتِّبَاعِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَقَالَ عَنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ لَمَّا أَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ يَظُنُّ أَنَّهُ كَافِرٌ وَلَا يُقَاتَلُ مَنْ عَلِمْنَا أَنَّهُ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ بِهَذَا وَلَا بِغَيْرِهِ حَتَّى يَعْرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامَ وَإِلَّا ضَمِنَ خِلَافًا لِمَنْ قَالَ:إنَّ عَرْضَهُ عَلَيْهِ مُسْتَحَبٌّ.أَمَّا مَنْ بَلَغَتْهُ فَلَهُ قَتْلُهُ وَلَوْ بِمَا يَعُمُّ وَسَبْيُ تَابِعِيهِ إلَى أَنْ يُسْلِمَ وَيَلْتَزِمَ الْجِزْيَةَ إنْ كَانَ مِنْ أَهْلِهَا .(وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ) وَاحِدٌ فَأَكْثَرُ.(أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ جَازَ ذَلِكَ)أَيْ احْصَارُهُمْ وَقَتْلُهُمْ بِمَا يَعُمُّ وَتَبْيِيتُهُمْ فِي غَفْلَة وَإِنْ عُلِمَ قَتْلُ الْمُسْلِمِ بِذَلِكَ لَكِنْ يَجِبُ تَوَقِّيهِ مَا أَمْكَنَ (عَلَى الْمَذْهَبِ) لِئَلَّا يُعَطِّلُوا الْجِهَادَ عَلَيْنَا بِحَبْسِ مُسْلِمٍ عِنْدَهُمْ نَعَمْ يُكْرَهُ ذَلِكَ حَيْثُ لَمْ يُضْطَرَّ إلَيْهِ كَأَنْ لَمْ يَحْصُلْ الْفَتْحُ إلَّا بِهِ تَحَرُّزًا مِنْ إيذَاءِ الْمُسْلِمِ مَا أَمْكَنَ مِثْلُهُ فِي ذَلِكَ الذِّمِّيُّ وَلَا ضَمَانَ يُنَافِي قَتْلِهِ ؛ لِأَنَّ الْفَرْضَ أَنَّهُ لَمْ تُعْلَمْ عَيْنُهُ''۔اھ ۔

'' مگر درست رائے یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ التوبۃ:۵﴾ ''ان (مشرکین کو) پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو........''{اور چونکہ} حَصَرَ اَهْلَ الطّائِفِ وَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيْقِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے گولہ باری کی{ مندرجہ بالا حدیث کو بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیاہے۔} اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں{، ایک یا ایک سے زیادہ،} خواہ وہ قیدی

ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے{، یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شب خون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ مسلمان بھی ضمناً مارا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو، کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔}اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا مؤقف یہی ہے{ تا کہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد کو معطل نہ کر سکیں۔ البتہ جب ہم یہ حربے استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوں، مثلاً جب یہ سب کچھ کئے بغیر بھی فتح حاصل ہو سکتی ہو، تو ان کا استعمال مکروہ قرار پائے گا، تا کہ مسلمانوں کو حتی الامکان اذیت سے بچایا جا سکے۔ ایسا ہی حکم ذمی کے معاملے میں بھی ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اس طرح مارے جانے والے مسلمان کے قتل پر کوئی معاوضہ (ضمان) نہیں ادا کیا جائے گا اور یہی بات فرض کی جائے گی کہ مارنے والا اس مسلمان کی وہاں موجودگی سے غافل تھا۔"

(تحفة المحتاج، ج٤٠ص١٣)

امام عبادی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ 'الجوھرۃ النیرۃ' میں اسلاف کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''قوله(و أرسلوا عليهم الماء وقطعوا شجرهم و أفسدوا زرعهم):لأن في ذلك كسر شوكتهم وتفريق جمعهم وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم حاصر بني النضير وأمر بقطع نخليهم وحاصر أهل الطائف و أمر بقطع كرومهم)۔قوله (ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم أسير أو تاجر): يعنى بالنشاب والحجارة والمنجنيق؛لأن في الرمي دفع الضرر العام بالذب عن جماعة المسلمين وقتل التاجر والأسير ضرر خاص''اه ۔

" مصنف کا یہ کہنا کہ} ان پر پانی چھوڑ دیا جائے اور ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی فصلیں برباد کر دی جائیں{ اس لئے درست ہے کہ یہ اقدامات ان کی قوت و شوکت توڑنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ کرنے کا باعث ہیں۔ یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ }رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ان کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا{۔ اسی طرح مصنف کے قول کہ }اگر ان کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں{ سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر، پتھر یا منجنیق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے 'ضررِ عام' دور ہو گا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیتِ مجموعی تحفظ یقینی بنے گا۔ جب کہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا 'ضررِ خاص' ہے"۔

(الجوهرةالنيرة: ۲/۲۵۸)

فقہی اصول ہے کہ جب 'ضررِ عام' اور 'ضررِ خاص' میں سے کسی ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو ضررِ خاص اختیار کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں کم لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے کہ مسلمانوں کی غالب آبادی والے ملکوں میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے سے غفلت کرنا جائز نہیں۔ سو، اُنہیں بغیر کسی شدید ترین ضرورت کے نقصان پہنچانا، ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کو بغیر کسی شدید ضرورت کے نقصان پہنچانے کے (مسئلے کی) مانند ہے۔ رہا مسئلہ اس دارالحرب کا کہ جہاں کے تمام رہائشی جنگجو کفار میں سے ہوں اور وہاں قلیل تعداد مسلمانوں کے قتل ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس پر اسلاف کی درج بالا اقوال کا انطباق ہو گا۔ واللہ اعلم

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ 'شرح السیر الکبیر' میں امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَلَا بَأْسَ لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ يُحَرِّقُوا حُصُونَ الْمُشْرِكِينَ بِالنَّارِ أَوْ يُغْرِقُوهَا بِالْمَاءِ وَأَنْ يَنْصِبُوا عَلَيْهَا الْمَجَانِيقَ، وَأَنْ يَقْطَعُوا عَنْهُمُ الْمَاءَ، وَأَنْ يَجْعَلُوا فِي مَائِهِمُ الدَّمَ وَالْعَذِرَةَ وَالسُّمَّ حَتَّى يُفْسِدُوهُ عَلَيْهِمْ. لِأَنَّا أُمِرْنَا بِقَهْرِهِمْ وَكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ. وَلَا يَمْتَنِعُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ مَا يَكُونُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِمْ مِنْ أَسْرَى، أَوْ مُسْتَأْمَنِينَ، صِغَارًا أَوْ كِبَارًا أَوْ نِسَاءً أَوْ رِجَالًا وَإِنْ عَلِمْنَا ذَلِكَ. لِأَنَّهُ لَا طَرِيقَ لِلتَّحَرُّزِ عَنْ اصَابَتِهِمْ مَعَ امْتِثَالِ الْأَمْرِ بِقَهْرِ الْمُشْرِكِينَ، وَمَا لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ.''

''مسلمانوں کے لئے مشرکین کے قلعے آگ سے جلا ڈالنے یا پانی میں غرق کرنے، ان کے خلاف منجنیق استعمال کرنے، مشرکین کا پانی کاٹ دینے اور اسے ناقابلِ استعمال بنانے کے لئے اس میں خون، انسانی فضلات یا زہر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہمیں ان پر قابو پانے اور ان کی قوت و شوکت توڑنے کا حکم دیا گیا ہے........(اوران کے درمیان) مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأمن کا دشمنوں کے درمیان پایا جانا بھی درج بالا تدبیریں اختیار کرنے میں مانع نہ ہوگا، چاہے ان کی وہاں موجودگی ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم بھی پورا کیا جائے اور ان کے درمیان موجود مسلمانوں پر آنچ بھی نہ آئے، لہٰذا جس چیز سے بچنا ہماری استطاعت سے باہر ہو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔''

(شرح السیر الکبیر، ج۴ص۱۶۸رقم:۲۸۵۵)

اگر کسی ہدف کے بارے میں یہ دعویٰ بھی کیا جائے:

کافر کے علاقے میں اگر کسی ہدف کے بارے میں یہ دعویٰ بھی کیا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی موجودگی میں اس کو نشانہ بنانے کی اشد ضرورت نہ تھی، اور پھر ہلاک شدگان میں مسلمانوں کا وجود

ثابت ہونے پر اُس فاعل پر جو انتہائی شدید شرعی حکم لاگو ہو گا، وہ یہ کہ وہ ان مسلمان مقتولوں کی نصف دیت ادا کرے۔ نبی کریم ﷺ کے اس فتوے کی بنیاد پر کہ جو آپ ﷺ نے کفّار کے ساتھ مختلط ہونے والے خثعم قبیلے کے مسلمانوں کے قاتل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اُن مسلمانوں کے قاتل کو نہ تو کافر قرار دیا، نہ اُس سے سختی سے پیش آئے، نہ ہی اُس سے قصاص لیا، نہ اُس پر بد دعا کی اور نہ ہی اُس کے اس فعل سے برأت کا اظہار کیا۔ جبکہ اس کے برعکس جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنی خذیمہ قبیلے کے اُن لوگوں کو ایک مغالطہ کی وجہ سے قتل کر دیا تھا، جبکہ وہ اسلام لے آئے تھے تو نبی کریم ﷺ نے اُن کی پوری دیت ادا کی تھی اور فرمایا تھا کہ:

"یا اللہ، میں تیرے سامنے اِس سے برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ جو خالد نے کیا"۔

کیونکہ بنی خزیمہ والی واقعہ میں خثعم قبیلے والے واقعہ کی طرح مسلمانوں اور کفار کا اختلاط نہیں تھا بلکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے قبولیت اسلام کے بارے میں مغالطہ ہو گیا تھا تو آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے برأت کا اعلان کیا لیکن اس کے باوجود بھی آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نہ تو کافر قرار دیا اور نہ ہی ان کو کوئی سزا دی۔

حاصل کلام:

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ درج بالا تمام معاملات میں اسلاف کے طرز عمل کو یوں بیان کرتے ہیں:

"تمام علماء مذکورہ بالا باتوں پر بحیثیتِ مجموعی متفق ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف کا پایا جانا ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ضمنی اختلافات بھی "اقدامی جہاد" ہی کی حد تک ہیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا (مختلف فیہ) فعل کر گزرنا (دفاعی) جہاد کی ضرورت بن جائے تو اس صورت میں اختلاف پر قائم رہنا مناسب نہیں ہو گا"۔

اختتامیہ

رسول اللہ ﷺ ہر اس مسلمان سے بری ہیں جو مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرے

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولماذا یلام من أراد أن یفعل المأمور بقتل وترویع أهل الحرب واستباحة دیارهم ؟ولا یلام من خالف أمر النبی ﷺ وأقام بین ظهرانی المشرکین؟فأصبح من قام بأمر الله مجرماً، ومن تبرأ منه الرسول ﷺ مؤمناً یجب المحافظة علی دمه وأمنه، وهذا لا یعنی أننا نکفر من أقام بین ظهرانی المشرکین وان کان ظاهر کلام النبی ﷺ یقتضی ذلك ، الا أننا نقول هم مسلمون وغایة ما یدفعه من قتلهم نصف دیتهم''

''تو آج پھر ایسے شخص کو کیوں ملامت کیا جاتا ہے کہ جو کفار کو قتل کرنے اور اُنہیں مرعوب کرنے اور اُن کے ملکوں کو تباہ کرنے جیسے (شرعی) حکم پر عمل کرتا ہے(اور اس دوران وہاں موجود کچھ مسلمان قتل ہو جاتے ہیں)........اس کے برعکس اُس شخص کو کوئی ملامت نہیں کی جاتی کہ جس نے نبی ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کی(اور ان حملوں کا نشانہ بن گیا)۔ گویا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کو بجا آور لانے والا تو مجرم ٹھہرا!........اور کفار کے درمیان رہنے پر جس سے رسول اللہ ﷺ نے برأت کا اعلان ظاہر کیا، وہ ایسا مؤمن ٹھہرا کہ جس کے خون اور امن وامان کی حفاظت واجب ہے!اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں، اگرچہ نبی ﷺ کی ظاہری بات ایسی چیز کا تقاضہ کرتی ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں

کہ وہ مسلمان ہیں لیکن (حملہ ہونے پر ان کے مارے جانے کی صورت میں) حملہ کرنے والے پر زیادہ سے زیادہ جو حکم لاگو ہوتا ہے، وہ اُن کی نصف دیت کا ہے''۔

(بحوالہ ''حقيقة الحرب الصليبية الجديدة'')

اس کی دلیل یہ ہے کہ الترمذی نے اپنی سنن میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمْ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَايَا نَارَاهُمَا))

''نبی ﷺ نے خثعم قبیلے کی طرف ایک دستہ بھیجا، تو ان لوگوں نے سجدوں میں پناہ لی، تو وہ جلدی سے قتل کر دیئے گئے، تو جب یہ خبر نبی ﷺ تک پہنچی، تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے لیئے آدھی دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''میں ہر اُس مسلمان سے بری ہوں کہ جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیونکہ انہیں اتنے فاصلے پر ہونا چاہیے تھا کہ انہیں ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آتی''۔

(سنن الترمذی، ج٦، ص١٣٨، رقم: ١٥٣٠۔ سنن ابی داود، ج٧، ص٢٣٧، رقم: ٢٢٧٤)

ایک اور روایت جو کہ حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ وَلَا تُجَامِعُوهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ))

''مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو اور نہ اُنکے ساتھ اکھٹے ہو۔ سو جو کوئی اُنکے ساتھ رہتا ہے یا اُن کے ساتھ اختلاط کرتا ہے، تو وہ اُنہی کی مانند ہے''۔

(سنن الترمذی، ج٦، ص١٣٨، رقم الحدیث: ١٥٣٠)

علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''(فاعتصم ناس بالسجود)ای ناس من المسلمین الساکنین فی الکفار,سجدوا باعتماد أن جیش الاسلام یترکوننا عن القتل حیث یروننا ساجدین ,لأن الصلاۃ علامۃ الایمان (فأمر لھم بنصف العقل)أی بنصف الدیۃ''۔

''صحابہ کا یہ قول کہ ان لوگوں نے سجدوں میں پناہ لی یعنی مسلمانوں کے وہ لوگ کہ جو کفار کے ساتھ رہائش اختیار کئے ہوئے تھے، انہوں نے اس اعتماد کے ساتھ سجدے کئے کہ اسلامی لشکر ہمیں سجدوں میں دیکھ کر قتل نہیں کرے گا کیونکہ نماز ایمان کی علامت ہے۔ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنہیں آدھی دیت کا حکم دیا یعنی آدھی دیت''۔

امام الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قال الخطابی فی معناہ ثلاثۃ وجوہ: قیل: معناہ لا یستوی حکمھما، وقیل: معناہ أن اللہ فرق بین داری الاسلام والکفر: فلایجوز لمسلم أن یساکن الکفار فی بلادھم حتی اذا أوقدوا نارا کان منھم حیث یراھا، وقیل: معناہ لا یتسم المسلم بسمۃ المشرک ولا یتشبہ بہ فی ھدیہ وشکلہ''

''وہ ایک دوسرے کی آگ کو نہ دیکھیں کے معنی کی تین شکلیں ہیں: (١) کہا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اُن دونوں کا حکم برابر نہیں اور (٢) کہا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ اسلام ور کفر کے

ملکوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرق کیا ہے۔ سو، کسی مسلمان کے لیئے یہ جائز نہیں کہ وہ کفّار کے ساتھ رہائش اختیار کرے حتیٰ کہ اگر وہ آگ جلائیں، تو وہ اُن سے اتنی دوری پر ہو کہ وہ اس آگ کو نہ دیکھ سکے۔ اور (۳) کہا گیا کہ مسلمان، مشرک کی صفت سے متّصف نہ ہو اور نہ اُسکی شکل وصورت اور اسکے طریقے کی مشابہت اختیار کرے"۔

حافظ شمس الدین ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے (عون المعبود) کے اپنے حاشیے میں فرمایا کہ:

"قَالَ بَعْض أَهْل الْعِلْم :إِنَّمَا أَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْل بَعْد عِلْمه بِإِسْلَامِهِمْ ، لِأَنَّهُمْ قَدْ أَعَانُوا عَلَى أَنْفُسهمْ بِمَقَامِهِمْ بَيْن ظَهْرَانَيْ الْكُفَّار ، فَكَانُوا كَمَنْ هَلَكَ بِجِنَايَةِ نَفْسه وَجِنَايَة غَيْره. وَهَذَا حَسَن جِدًّا. وَالَّذِي يَظْهَر مِنْ مَعْنَى الْحَدِيث: أَنَّ النَّار هِيَ شِعَار الْقَوْم عِنْد النُّزُول وَعَلَامَتهمْ ، وَهِيَ تَدْعُو إِلَيْهِمْ ، وَالطَّارِق يَأْنَس بِهَا، فَإِذَا أَلَمَّ بِهَا جَاوَرَ أَهْلهَا وَسَالَمَهُمْ. فَنَار الْمُشْرِكِينَ تَدْعُو إِلَى الشَّيْطَان وَإِلَى نَار الْآخِرَة، فَإِنَّهَا إِنَّمَا تُوقَد فِي مَعْصِيَة اللَّه ، وَنَار الْمُؤْمِنِينَ تَدْعُو إِلَى اللَّه وَإِلَى طَاعَته وَإِعْزَاز دِينه، فَكَيْف تَتَّفِق النَّارَانِ، وَهَذَا شَأْنهمَا؟ وَهَذَا مِنْ أَفْصَح الْكَلَام وَأَجْزَله، الْمُشْتَمِل عَلَى الْمَعْنَى الْكَثِير الْجَلِيل بِأَوْجَز عِبَارَة۔ وَقَدْ رَوَى النَّسَائِيُّ مِنْ حَدِيث بَهْز بْن حَكِيم عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدّه قَالَ((قُلْت يَا رَسُول اللَّه مَا أَتَيْتُك حَتَّى حَلَفْت أَكْثَر مِنْ عَدَد أُولَاءِ -لِأَصَابِع يَدَيْهِ- أَنْ لَا آتِيك، وَلَا آتِي دِينك، وَإِنِّي كُنْت اِمْرَأً لَا أَعْقِل شَيْئًا إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللَّه وَرَسُوله۔ وَإِنِّي أَسْأَلك بِوَجْهِ اللَّه: بِمَ بَعَثَك رَبّنَا إِلَيْنَا ؟قَالَ: بِالْإِسْلَامِ ۔قُلْت: وَمَا آيَات الْإِسْلَام ؟قَالَ: أَنْ تَقُول: أَسْلَمْت وَجْهِي إِلَى اللَّه وَتَخَلَّيْت، وَتُقِيم الصَّلَاة، وَتُؤْتِي الزَّكَاة۔ كُلّ الْمُسْلِم عَلَى الْمُسْلِم مُحَرَّم ، أَخَوَانِ نَصِيرَانِ، لَا يَقْبَل اللَّه مِنْ مُشْرِك بَعْد مَا يُسْلِم عَمَلًا، أَوْ يُفَارِق الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ))۔ وَقَدْ ذَكَرَ أَبُو دَاوُدَ مِنْ حَدِيث سَمُرَة عَنْ النَّبِيّ صَلَّى

اللّٰہ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ((مَنۡ جَامَعَ الۡمُشۡرِكَ وَسَکَنَ مَعَهُ فَاِنَّهُ مِثۡله))وَفِي الۡمَرَاسِيل لِأَبِي دَاوُدَ عَنۡ مَكۡحُول عَنۡ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰہ عَلَيۡہِ وَسَلَّمَ((لَا تَتۡرُكُوا الذُّرِّيَّة اِزَاء الۡعَدُوّ))۔

"بعض اہل علم نے کہا کہ آپ ﷺ نے اُن (خثعم قبیلے) کے اسلام کو جاننے کے بعد اُن کے لیئے آدھی دیت کا حکم صرف اس لئے دیا کیونکہ انہوں نے کفار کے درمیان مقیم رہ کر (اپنے قتل) کی راہ ہموار کی، تو وہ اُس شخص کی مانند ہوئے کہ جو اپنے جرم اور دوسرے کے جرم سے ہلاک ہوا ہو۔ اور یہ بہت اچھا ہے اور حدیث سے جو معنی ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشبہ آگ ہی کسی قوم کے قیام کا شعار اور علامت ہوتی ہے اور یہی (مسافروں وغیرہ) کو ان کی طرف بلاتی ہے اور نیا آنے والا اس سے مانوس ہوتا ہے، تو جب وہ انہیں جانتا ہے تو انکا پڑوسی بنتا اور ان سے مراسم قائم کرتا ہے" لہٰذا مشرکوں کی آگ شیطان کی طرف اور آخرت کی آگ کی طرف دعوت دیتی ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معصیت میں جلائی جاتی ہے جبکہ مؤمنوں کی آگ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اُسکی اطاعت اور اسکے دین کی عزت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ تو دونوں آگ کیونکر اکھٹی ہو سکتی ہیں اور یہی اُنکی شان ہے؟ اور یہ فصیح ترین اور قوی ترین بات ہے جو کئی واضح معنوں اور بہترین عبارت پر مشتمل ہے۔ امام النسائی نے بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: "میں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ، میں آپ کے پاس ایسے وقت آیا ہوں کہ جب میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد سے بھی زیادہ مرتبہ قسم اُٹھائی تھی کہ نہ تو میں آپ کے پاس آؤں گا اور نہ آپ کے دین پر (ایمان نہ لاؤں گا)۔ میں تو کسی چیز میں بھی عقل نہیں رکھتا تھا، مگر مجھے اللہ اور اسکے رسول نے سکھایا۔ میں آپ ﷺ سے سوال کرتا ہوں کہ: اللہ نے آپ ﷺ کو ہماری طرف کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام کے ساتھ، میں نے کہا کہ: اسلام کی نشانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "تو یہ کہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور اسکے علاوہ (کسی چیز کی عبادت) کو چھوڑ دیا اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ ہر مسلمان، دوسرے مسلمان

کے لیئے حرام ہے۔ دونوں مددگار بھائی ہیں، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی مشرک کے اسلام لانے کے بعد کوئی عمل اُس وقت تک قبول نہیں کرتا کہ جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں نہیں آجاتا"۔ اور ابوداؤد نے سمرہ کی حدیث بیان کی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے: "جو کوئی مشرک کے ساتھ اکھٹا ہوتا اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرتا ہے، تو وہ اُسی کی مانند ہے"۔ ابوداؤد کی مراسیل میں مکحول سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ: "اپنی ذریت (اولاد) کو دشمن کے قریب مت چھوڑو"۔

(عون المعبود، ج۶، ص۷۳، رقم: ۲۲۷۴)

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:

''(إِلَى خَثْعَمَ): قَبِيلَة (فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْل): أَيْ بِنِصْفِ الدِّيَة. قَالَ فِي فَتْح الْوَدُود: لِأَنَّهُمْ أَعَانُوا عَلَى أَنْفُسهمْ بِمُقَامِهِمْ بَيْن الْكَفَرَة، فَكَانُوا كَمَنْ هَلَكَ بِفِعْلِ نَفْسه وَفِعْل غَيْره فَسَقَطَ حِصَّة جِنَايَته (بَيْن أَظْهُر الْمُشْرِكِينَ): أَيْ بَيْنهمْ وَلَفْظ أَظْهُر مُقْحَم (لَا تَرَايَا نَارَاهُمَا)

"(خثعم کی طرف)، یہ ایک قبیلہ ہے، اُن کے لیئے (نصف العقل کا حکم دیا)۔ اور (فتح الودود) میں کہا: چونکہ انہوں نے کفّار کے درمیان مقیم ہوکر خود پر (ہلاکت کی) راہ ہموار کی تھی، تو وہ اس شخص کی مانند ہوگئے، جو اپنے اور کسی دوسرے کے فعل سے ہلاک ہوا۔ سو، اُسکے حصّے کے جرم کی دیت گر گئی۔ مشرکوں کے درمیان یعنی اُن کے درمیان اور یہاں لفظ "اظھر" زائد ہے۔ ایک دوسرے کی آگ کو نہ دیکھیں۔ اسی طرح بعض کتابوں کے نسخوں میں ہے اور بعض میں " ترائی" کا لفظ ہے"۔

(عون المعبود، ج۶، ص۷۳، رقم: ۲۲۷۴)

اور آخر میں آپ فرماتے ہیں:

''أَيْ يَلْزَم الْمُسْلِم وَيَجِب عَلَيْهِ أَنْ يَتَبَاعَد مَنْزِله عَنْ مَنْزِل الْمُشْرِك وَلَا يَنْزِل بِالْمَوْضِعِ الَّذِي إِنْ أُوقِدَتْ فِيهِ نَاره تَلُوح وَتَظْهَر لِلْمُشْرِكِ إِذَا أَوْقَدَهَا فِي مَنْزِله ، وَلَكِنَّهُ يَنْزِل مَعَ الْمُسْلِمِينَ ، وَهُوَ حَثّ عَلَى الْهِجْرَة''

''چنانچہ مسلمانوں پر لازم اور واجب ہے کہ اُس کا گھر، مشرک کے گھر سے دور ہونا چاہیے اور نہ وہ ایسی جگہ مقیم ہو کہ جہاں اگر اُسکی آگ جلائی جائے، تو اُسکے شعلے مشرکوں کے سامنے ظاہر ہوں اور جب وہ یہ آگ اپنے گھر میں جلائے۔ بلکہ اُسے مسلمانوں کے ساتھ مقیم ہونا چاہیے اور یہ ہجرت پر اُبھارنا ہے''۔

(عون المعبود، ج٦، ص٧٣، رقم: ٢٢٧٤)

آج بلاشبہ جو مسلمان شخص بھی کفار کے عالمی اقتصادی، عسکری، انتظامی اور تجارتی مراکز میں کام کرتا ہے، تو وہ یقینی طور پر جنگجو ملک کے اہم ترین اقتصادی مراکز میں کام کرتا ہے۔ لہٰذا، جو مسلمان، کافر طاقت کے خلاف کوئی کاروائی کرنا چاہتے ہیں اور وہ کافروں کے درمیان مسلمانوں کو پہچان نہ سکیں، تو اس کے ساتھ کفار کے شریکِ کار کا معاملہ کریں گے اور اُن کے لیئے اُس کا یہی دنیاوی (شرعی حکم) ہوگا، مگر آخرت کا نہیں۔ اور اسکی دلیل صحیحین وغیرہ میں جو آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند میں کچھ حرکت کی، تو ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے نیند میں کوئی حرکت کی ہے کہ جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْعَجَبُ إِنَّ نَاسًا مِنْ أُمَّتِي يَؤُمُّونَ بِالْبَيْتِ بِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَدْ لَجَأَ بِالْبَيْتِ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الطَّرِيقَ قَدْ يَجْمَعُ النَّاسَ

قَالَ نَعَمْ فِيهِمُ الْمُسْتَبْصِرُ وَالْمَجْبُورُ وَابْنُ السَّبِيلِ يَهْلِكُونَ مَهْلَكًا وَاحِدًا وَيَصْدُرُونَ مَصَادِرَ شَتَّى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ عَلَى نِيَّاتِهِمْ))

"تعجب ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ اللہ کے گھر (کعبہ) میں پناہ لیئے ہوئے قریش کے ایک آدمی پر حملے کے لئے اس گھر کی طرف آئیں گے حتیٰ کہ جب وہ ایک صحرا پر پہنچیں گے، تو اُنہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم راستے سے بھی لوگ اکھٹے ہو جاتے (اس میں شامل ہوتے ہیں)۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جی ہاں، ان میں جاننے بوجھنے والا (صاحبِ بصیرت) بھی ہو گا اور مجبور بھی اور مسافر بھی، سب کو ایک ہی طریقے پر ہلاک کر دیا جائے گا، مگر وہ مختلف طریقوں سے اُٹھائے جائیں گے، (قیامت کے روز) اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اُنہیں اُن کی نیتوں پر اُٹھائے گا۔"

(صحیح مسلم، ج۱۴، ص۵۵، رقم الحدیث: ۵۱۳۴)

بخاری کی روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اُن کے شروع سے لیکر اُن کے آخر تک (سب کو) زمین میں دھنسا دیا جائے گا، حالانکہ اُن میں سے تو ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جو خرید وفروخت کے لئے آئے ہوں گے اور ایسے بھی ہوں کہ جن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يخسف بأولهم وآخرهم ثم يبعثون على نياتهم))

"اُن کے شروع اور اُن کے آخر (سب کو) زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر اُنہیں اُن کی نیتوں پر اُٹھایا جائے گا"۔

الترمذی نے صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ:

((ولم ینج أوسطهم))

''اور اُن کے درمیان میں سے کوئی بھی نجات نہ پائے گا''۔

اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مسلم کے الفاظ ہیں:

((فلایبقی الا الشرید الذی یخبر عنهم))

''تو اُن میں سے صرف بھاگا ہوا بچے گا کہ جو اُن کے بارے میں بتائے گا''۔

امام ابن الحجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تعلیق میں کہا کہ:

''أَيْ يُخْسَفُ بِالْجَمِيعِ لِشُؤْمِ الْأَشْرَارِ ثُمَّ يُعَامَلُ كُلُّ أَحَد عِنْد الْحِسَاب بِحَسَبِ قَصْدِهِ، قَالَ الْمُهَلَّب: فِي هَذَا الْحَدِيث أَنَّ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فِي الْمَعْصِيَة مُخْتَارًا أَنَّ الْعُقُوبَة تَلْزَمُهُ مَعَهُمْ .قَالَ وَاسْتَنْبَطَ مِنْهُ مَالِكٌ عُقُوبَةَ مَنْ يُجَالِسُ شَرَبَةَ الْخَمْرِ وَإِنْ لَمْ يَشْرَبْ''

''برے لوگوں کی نحوست کے سبب، سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر ہر ایک سے حساب کتاب کے وقت (قیامت کے روز) اُسکے ارادے کے مطابق معاملہ کیا جائے گا''۔ امام المہلب نے فرمایا کہ: ''اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جو کوئی کسی قوم کی معصیت میں، اُنکی تعداد میں، خود مختاری میں اضافہ کرتا ہے، تو بلاشبہ اُن کے ساتھ، اس پر بھی سزا لازم ہوتی ہے، اور کہا کہ امام مالک نے اس (حدیث) سے اُس شخص کی سزا پر استدلال کیا ہے کہ جو شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھتا ہے اگرچہ اُس نے شراب نہیں پی ہوتی''۔

(فتح الباری لابن حجر، ج٦، ص٤٤٢، رقم الحدیث: ١٩٧٥)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے (الفتاویٰ الکبریٰ) اور اُن کے شاگرد ابن القیم a نے اس حدیث سے ایسی شوکت و قوت والی جنگجو جماعت کے خلاف لڑنے پر استدلال کیا ہے کہ جن میں خواہ مسلمان ہی موجود ہوں۔ کہا کہ اُنہیں ایک ہی طرح سے ہلاک کیا جائے گا جبکہ (قیامت کے دن) مختلف حالتوں (اپنی نیتوں پر اُٹھائے جائیں گے)۔

لہٰذا، کافر کے اسٹریجٹک مراکز میں جو مسلمان کام کرتے تھے، وہ شرعی حکم میں اُس شخص کی مانند ہیں کہ جو جنگ میں کفار کی مدد کرتا ہے۔ یہ دنیاوی حکم ہے اور اُن پر اس حکم کا امکان بھی ہے کہ اُن کے ساتھ جو کچھ ہو گا، وہ اُن کفار کی تعداد میں اضافے کا باعث بننے اور انہیں فائدہ پہنچانے کی سزا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمد کی کتاب (الزہد) میں ابن دینار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ:

((قل لقومك لا تدخلوا مداخل أعدائی ولا تلبسوا ملابس أعدائی ولا تركبوا مراكب أعدائی فتكونوا أعدائی كماهم أعدائی))

"اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہ میں داخل نہ ہوں اور نہ میرے دشمن والا لباس پہنو، اور نہ میرے دشمن کی سواریوں پر سوار ہو، ورنہ تم میرے اُسی دشمن کی طرح ہو جاؤ گے کہ جیسے وہ میرے دشمن ہیں"۔

(كذافی فتح القدير للمناوی ، وقال العلقمی فی الكوكب المنير شرح الجامع الصغير حديث سمرة اسناده حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث کو بیان فرماتے ہیں:

((كَانَ إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابَ مَنْ كَانَ فِيهِمْ ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ))

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو عذاب ان سب لوگوں پر آتا ہے جو اس قوم میں شامل ہوتے ہیں۔ پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔(اگر کوئی ان میں نیک ہوگا تو ثواب کا حقدار ٹھہرے گا جو باقی ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے)''۔

(صحیح البخاری، ج۲۲، ص۳، رقم الحدیث: ۶۵۷۵۔ صحیح مسلم، ج۱۴، ص۴۵، رقم الحدیث: ۵۱۲۷)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کی تشریح بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَيُسْتَفَاد مِنْ هَذَا مَشْرُوعِيَّة الْهَرَب مِنْ الْكُفَّار وَمِنْ الظَّلَمَة لِأَنَّ الْإِقَامَة مَعَهُمْ مِنْ إِلْقَاء النَّفْس الَى التَّهْلُكَة، هَذَا إِذَا لَمْ يُعِنْهُمْ وَلَمْ يَرْضَ بِأَفْعَالِهِمْ فَإِنْ أَعَانَ أَوْ رَضِيَ فَهُوَ مِنْهُمْ. وَأَمَّا فِي الدُّنْيَا فَمهمَا أَصَابَهُمْ مِنْ بَلَاء كَانَ تَكْفِيرًا لِمَا قَدَّمُوهُ مِنْ عَمَل سَيِّئ، فَكَانَ الْعَذَاب الْمُرْسَل فِي الدُّنْيَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا يَتَنَاوَل مَنْ كَانَ مَعَهُمْ وَلَمْ يُنْكِر عَلَيْهِمْ فَكَانَ ذَلِكَ جَزَاء لَهُمْ عَلَى مُدَاهَنَتهمْ، ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَة يُبْعَث كُلّ مِنْهُمْ فَيُجَازَى بِعَمَلِهِ''

''اس حدیث رسول ﷺ سے معلوم ہوا کہ کافروں اور ظالموں کے علاقہ اور ملک سے بھاگ جانا چاہیے یعنی کفر وظلم والی سرزمین سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ کافروں اور ظالموں کے درمیان رہائش اختیار کرنا اور زندگی گزارنا گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ یہ معاملہ تو اس وقت ہے جب کوئی ان کافروں اور ظالموں کا تعاون نہ کرے

اور ان کافروں اور ظالموں کے اقدامات اور کاروائیوں کو ناپسند کرتا ہو۔ لیکن اگر (کسی بھی قسم) کی معاونت کرے یا اس پر راضی رہے تو وہ انہیں میں سے ہے۔ اور جو دنیا میں ظالموں پر بھیجے جانے والا عذاب ان لوگوں کو بھی ظالموں میں شامل کرلیتا ہے جو ان ظالموں کو ان کے ظلم سے نہ روکیں۔ اس لئے یہ ان کی جزاء ہے جو ظالموں کو روکنے میں مداہنت کا شکار ہوگئے۔ پھر قیامت کے دن ہر کوئی آدمی اپنے عمل کے مطابق اٹھایا جائے گا اور اس کے مطابق جزاء دی جائے گی"۔

(فتح الباری: ج۲۰، ص۱۱۳، رقم الحدیث: ۶۵۷۵)

اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"جب یہ بات واضح ہے کہ جہاد کو جاری رکھنا واجب اور فرض ہے اس کی خاطر چاہے کتنے ہی مسلمان قتل ہو جائیں لہٰذا جو مسلمان کافروں کی صفوں میں ہوں انہیں "جہاد فی سبیل اللہ" کی ضرورت اور حاجت کی بناء پر اضطراراً قتل کرنا جہاد کو موقوف کرنے اور ختم کرنے کے جرم سے بڑا جرم نہیں ہے"۔

(التبیان فی اهم مسائل الکفر والایمان، لفضیلة الشیخ ابوعمرو عبد الحکیم حسان)

چنانچہ شیخ یوسف العیری رحمہ اللہ کفار کے ملکوں میں رہائش پذیر مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ولا أنسى في هذا المقام أن أنصحاخواننا المسلمين الذين يسكنون بين أظهر المشركين سواءً كانوا معذورين أو غير معذورين، ألا ينسوا أنهم هم أول المعنيين بمعاني الولاء والبراء والمظاهرة للأعداء، فلا تغرهم الحياة الدنيا ولا

یغرنهم باللہ الغرور، فأهم ما یحفظه العبد هو دینه وعقیدته ولو عاش فقیراً ومات هو وأبناؤه من الجوع خیر له من أن یعیش غنیاً ویموت هو وأبناؤه علی غیر ملة الاسلام فالدنیا فانیة والآخرة هی الحیوان لو کانوا یعلمون''.

''اس مقام پر میں اپنے اُن مسلمان بھائیوں کو نہیں بھولوں گا کہ جو مشرکوں کے درمیان رہائش پذیر ہیں خواہ وہ معذور ہوں یا غیر معذور، وہ مت بھولیں کہ الولاء والبراء اور المظاهرة للاعداد (دشمنوں کی مدد کرنے) کے معنوں میں سب سے پہلے مخاطب وہی ہیں۔ لہٰذا، دنیا کی زندگی اُنہیں دھوکے میں نہ رکھے اور شیطان، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں اُنہیں کسی دھوکے میں نہ رکھے۔ کیونکہ بندے کی اہم ترین چیز جو حفاظت کے قابل ہے وہ اُس کا دین اور اُس کا عقیدہ ہے خواہ وہ فقیر ہو کر ہی زندگی گزارے اور وہ اور اُسکی اولاد بھوک سے مر جائیں۔ یہ اُس سے بہتر ہے کہ وہ غنی ہو کر زندگی گزارے اور وہ اور اسکی اولاد ملّتِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مریں۔ کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اور آخرت ہی حقیقی زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوں''۔

(بحوالہ ''حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة'')

غفلت میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں سے خطاب

ہم اپنی گفتگو شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام پر ختم کرتے ہیں کہ:

''وختاماً فانی لا أجد قولاً أخاطب به المتخاذلین والمنهزمین من أبناء الأمة، الا ما قاله ابن الجوزی للمسلمین عندما دهمت الحرب الصلیبیة الثانیة أرض المسلمین ودخل الصلیبیون أطراف بلاد المسلمین فخاطب الناس بقول بلیغ نحن الیوم بأمس الحاجة الی تلك الخطبة وأنا أنقلها لمطابقتها لواقعنا''

''اختتام میں اُمت کے جہاد سے کنارہ کشی کرنے والوں اور شکست خوردہ ذہنوں کے مالک لوگوں کو کہنے کے لیئے میرے پاس ابن الجوزی رحمہ اللہ کے مسلمانوں کے اُس خطاب سے بہتر اور کچھ نہیں کہ جب دوسری صلیبی جنگ نے مسلمانوں کی سرزمین کو روندا اور صلیبی، مسلمان ملکوں کے اطراف میں آ گئے، تو آپ (ابن الجوزی) نے لوگوں کو ایسا بلیغ خطاب دیا کہ جس کی آج ہمیں شدید ضرورت ہے اور میں اپنے اِن حالات کے مطابق اُس خطبے کو نقل کر رہا ہوں۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة، ص١١٢)

پھر شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ مسلمان ملکوں پر صلیبی حملے کے دنوں میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے دمشق کی جامع مسجد میں جو خطبہ دیا تھا اس کو نقل کرتے ہیں۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''أيها الناس مالكم نسيتم دينكم وتركتم عزتكم وقعدتم عن نصر الله فلم ينصركم، حسبتم أن العزة للمشرك وقد جعل الله العزة لله ولرسوله وللمؤمنين، يا ويحكم أما يؤلمكم ويشجي نفوسكم مرأى عدو الله وعدوكم يخطر على أرضكم التي سقاها بالدماء أباؤكم، يذلكم ويستعبدكم وأنتم كنتم سادت الدنيا، أما يهز قلوبكم وينمّي حماستكم مرأى اخواناً لكم قد أحاط بهم العدو وسامهم ألوان الخسف، أفتأكلون وتشربون وتتنعمون بلذائذ الحياة واخوانكم هناك يتسرهلون اللهب ويخوضون النار وينامون على الجمر؟!!

يا أيها الناس انها قد دارت رحى الحرب ونادى منادى الجهاد وتفتحت أبواب السماء، فان لم تكونوا من فرسان الحرب فافسحوا الطريق للنساء

یدرن رحاها ، واذهبوا فخذواالمجامر والمكاحل یا نساءً بعمائم ولحى. أو لا ؟. فالى الخیول وهاكم لجمها وقیودها .

یا ناس أتدرون مما صنعت هذه اللجم والقیود ؟.لقد صنعها النساءمن شعورهن لأنهن لا یملكن شیئاً غیرها ، هذه والله ضفائر المخدرات لم تكن تبصرها عین الشمس صیانة وحفظاً ، قطعنها لأن تاریخ الحب قد انتهى، وابتدأ تاریخ الحرب المقدسة،الحرب فی سبیل الله ثم فی سبیل الدفاع عن الأرض والعرض .فاذا لم تقدروا على الخیل تقیدونها فخذوها فاجعلوها ذوائب لكم وظفائر انها من شعور النساء، ألم یبق فی نفوسكم شعور؟. وألقى اللجم من فوق المنبر على رؤوس الناس وصرخ :میدی یا عمد المسجد وانقضی یا رجوم وتحرقی یا قلوب ألماً وكمداً ، لقد أضاع الرجال رجولتهم ‘‘۔

’’اے لوگو........! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم اپنے دین کو بھول گئے ہو اور تم نے اپنی عزّت کو چھوڑ دیا اور تم اللہ (کے دین) نصرت سے بیٹھ گئے، تو اُس (اللہ) نے بھی تمہاری مدد نہیں کی۔ تم نے گمان کر لیا کہ عزت مشرک کے لئے ہے، اللہ نے تو عزت صرف اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے لییٔ رکھی ہے۔

اے لوگو........! برا ہو تمہارا، کیا اس منظر سے تمہیں تکلیف نہیں ہوتی اور تم غمگین نہیں ہوتے کہ اللہ کا دشمن اور تمہارا دشمن، تمہاری اُن سرزمینوں کے لییٔ خطرہ بنا ہوا ہے کہ جسے تمہارے آباءواجداد نے اپنے خون پلائے ہیں۔ یہ دشمن تمہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں غلام بنائے گا، تمہیں کہ جو دنیا کی سیادت کرتے تھے۔ کیا اس منظر سے تمہارے دل نہیں پھڑکتے اور تمہارے جذبات نہیں بھڑکتے کہ دشمن نے تمہارے بھائیوں کو گھیر رکھا ہے۔ اور وہ اُنہیں طرح طرح سے ذلیل ورسوا کر رہا ہے؟ کیا تم کھاتے، پیتے ہو اور زندگی کی نعمتوں سے

لذّتیں اُٹھاتے ہو جبکہ تمہارے بھائی وہاں شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں اور آگ میں گھس جاتے ہیں اور کوئلوں پر سوتے ہیں.........!

اے لوگو.........! یقیناً جنگ بھڑک اُٹھی ہے اور جہاد کی منادی ہو چکی اور آسمان کے دروازے کھل گئے۔ تو، اگر تم جنگ کے شہ سوار نہیں بنتے، تو عورتوں کے لئے یہ راستہ چھوڑ دو کہ وہ یہ جنگ لڑیں، جاؤ اور خوشبوئیں اور سُرمے لگاؤ۔ اے پگڑیوں اور داڑھیوں والی عورتو ں.........! (اور اگر ایسا نہیں ہے) تو لپکو گھوڑوں کی طرف، یہ رہیں اُن کی لگامیں اور اُنکی رسّیاں۔

اے لوگو.........! کیا جانتے ہو کہ لگامیں اور رسّیاں کس چیز سے بنائی گئیں ہیں؟ اُنہیں عورتوں نے اپنے سر کے بالوں سے بنایا ہے کیونکہ اُن کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اللہ کی قسم! یہ تو پردہ دار عورتوں کے بالوں کی چوٹیاں ہیں کہ جن کی حفاظت اور پاکیٔ دامن کا یہ عالم تھا کہ جنہیں سورج کی آنکھ نے بھی نہ دیکھا ہو گا۔ اُن (عورتوں) نے اِنہیں کاٹ ڈالا ہے کیونکہ محبت و عشق کی تاریخ ختم ہو چکی اور اب مقدس جنگ کی تاریخ شروع ہو چکی ہے اللہ کی راہ میں جنگ، پھر زمین و عزت کے دفاع میں جنگ۔

تو، اگر تم ان کے ساتھ گھوڑوں کو باندھ نہیں سکتے، تو پھر اُنہیں لے لو اور اپنی زُلفیں اور بالوں کی چوٹیاں بنالو کیونکہ یہ عورتوں کے بالوں سے ہیں۔ کیا تم میں کوئی شعور نہیں؟ (یہ کہتے ہوئے ابن الجوزی نے منبر کے اوپر سے لگامیں، لوگوں کے سر پر پھینکیں اور چیخے) "اے مسجد کے ستونو......... جھک جاؤ......... اور اے شہابو (پتھروں)......... برسو، اور اے دلو......... غیض و غضب سے تڑپ اُٹھو......... اس لئے کہ مردوں نے اپنی مردانگی کھو دیا ہے"۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة، ص١١٢)

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں:

''رحمك الله هذا قولك لمن بلغ ملكهم الأندلس وبلاط الشهداء، فماذا ستقول لنا؟ وبما ستصفنا لو رأيت حالنا اليوم؟''

''اللہ، آپ (ابن الجوزی) پر رحم کرے۔ اگر آپ کا یہ خطاب اُن لوگوں کے لئے ہے کہ جن کی حکمرانی اُندلس اور بلاط الشہداء جیسے معرکوں تک جا پہنچی تھی۔ تو، پھر آج ہمارے لئے کیا کہیں گے؟ اور اگر آج آپ ہماری یہ حالت دیکھ لیں، تو ہمیں کن اوصاف سے مخاطب کریں گے؟''

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة، ص۱۱۲)

والصلاة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه اجمعین۔

﴿کافر کی موت سے لرزتا ہو جس کا دل﴾

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جنابِ شیخ کو معلوم کیا نہیں؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر

تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر

(اقبال)